علامہ شیخ تقی الدین ابو العباس احمد ابنِ تیمیہ حرانی

ولادت ۶۶۱ھ ۔۔۔۔۔ المتوفی ۷۲۸ھجری

پیر سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی

چیئرمین انٹرنیشنل سادات فاؤنڈیشن والتھم سٹو۔لندن

نام کتاب	فضائل اہل بیت
تالیف	شیخ ابن تیمیہ
تحقیق وترجمہ	علامہ سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی (لندن)
کمپوزنگ/نظر ثانی	محمد ریاض احمد سعیدی۔ صاحبزادہ سید طاہرین علی شاہ گیلانی
زیر نگرانی	علامہ عمر حیات قادری
ناشر	صفہ فاؤنڈیشن
باہتمام	ریاض قدیر قادری
طابع	حافظ نثار احمد قادری
تاریخ اشاعت	مئی 2014
صفحات	240

- صفہ فاؤنڈیشن مدینہ مارکیٹ دبئی چوک صدر لاہور کینٹ فون 042-36664563
- مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ لاہور Ph:042-37226193, Cell:0321-7226193

U.K. Suffah Foundation, PO Box 1625, Huddersfield HD1 9QW (U.K)
Markazi Jamia Masjid Ghausia, 73 Victoria Road, Huddersfield
www.suffahfoundation.com // info@suffahfoundation.com
Web:www.facebook.com/suffahfoundation

For Donation: *Bank Name: HSBC Account Name: Suffah Foundation*
Account # 74092694 Sort Code: 40-25-10
International Band Account # GB36MIDL40251074092694
Branch Identifior Code MIDLGB2104U

مشتملات مقدمہ

مشتملات حقوق آل بیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

علامہ عمر حیات قادری

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گمراہی اور جہالت کی وادیوں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو سیدھے راستے پر چلایا، مخلوقِ خدا کو باطل معبودوں سے موڑ کر ربّ کی بارگاہ میں جھکنا سکھایا، اس وجہ سے آپ کو بے حد ستایا گیا، شدید ترین جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی گئیں مگر آپ نے ان سب مصائب اور آلام کو تو برداشت کر لیا مگر قیامت تک کے لیے شمع توحید کو پوری قوت سے فروزاں کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کے ساتھ ماں باپ، اولاد اور جان و مال سے بڑھ محبت کرتے ہیں۔ اور جس دل میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت سمائی ہے وہاں لازماً اہل بیت عظام اور صحابہ کرام کی محبت بھی ہوگی۔

ہم اہل بیت کے زہد، تقویٰ اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نسبت کو ملحوظ خاطر رکھ کر اِن حضرات سے محبت کرتے ہیں اور اِن حضرات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وہ فرامین جو اہل بیت کی عظمت کو اُجاگر کرتے ہیں ہمیشہ اہل ایمان کے پیش نظر رہتے ہیں، مگر بد قسمتی سے عصر حاضر میں اہل بیت سے روگردانی کا عنصر دیکھنے میں آرہا ہے، کلمہ طیبہ پڑھنے اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں درود و سلام پیش کرنے کا دعویدار ایک خاص طبقہ اہل بیت عظام کی طرف سے رخ موڑ کر اسلامی تاریخ کی ایک بدترین شخصیت سے عقیدت و محبت کا رشتہ استوار کیے ہوئے ہے۔ نہ جانے ایسے لوگوں کو قیامت کے دن سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بابا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نانا

کی شفاعت مطلوب نہیں؟ ایک شقی القلب شخصیت سے عقیدت و محبت کا رشتہ اُستوار کرنے والے قیامت کے دن کس منہ سے بارگاہ رسالت میں شفاعت کی درخواست کریں گے؟ یہ کم فہم لوگ جب پیاس سے بے حال ہوں گے تو کس منہ سے حوض کوثر پر جائیں گے؟

جو شخص اہل بیت عظام کی عقیدت، محبت اور توقیر سے محروم ہے وہ درحقیقت ربّ کی رحمتوں سے محروم ہے، اہل بیت کی عظمت کے پرچم لہراتے رہیں گے اور سعادت مند لوگ اہل بیت کی عظمتوں کو سلام پیش کرتے رہیں گے۔

پیش نظر کتاب میں عظمت اہل بیت کو اجاگر کرنے والے لٹریچر میں ایک قیمتی اضافہ ہے اور امید ہے کہ یہ کتاب اہل بیت کی عقیدت سے محروم بہت سے لوگوں کے لیے سعادت مندی کا ذریعہ بنے گی، اس کا سلیس، رواں اور شستہ اردو ترجمہ کرنے کی سعادت ہمارے فاضل دوست اور خانوادۂ اہل بیت کے گل سرسبد سید اشتیاق حسین گیلانی مدظلہ العالی نے حاصل کی ہے، اللہ کریم آپ کے قلم کو اور جولانیاں عطا فرمائے اور اس عظیم کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب کے ترجمے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاں جہاں مصنف نے اہل سنت و جماعت کے عقیدے پر اعتراضات کئے ہیں اُن کا سنجیدہ اور متین رد بھی کیا ہے، اللہ کریم ہمیں اہل بیت کرام کے دامن سے وابستگی نصیب کرے، اہل بیت کے صدقے روزِ قیامت ہمیں نجات عطا فرمائے اور ہمیں عمر بھر اہل بیت کے حق میں تقصیر سے محفوظ رکھے۔

تقریظ

ابوالمکرم ڈاکٹر سید محمد اشرف جیلانی

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

{... قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى ط ...}

[الشوری ۴۲:۲۳]

اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فرما دیجیے کہ میں اس دعوت تبلیغ پر تم سے کچھ اجر (معاوضہ) نہیں مانگتا مگر قرابت داروں کی محبت۔

اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں یعنی اہل بیت سے محبت کی جائے، اسی لیے وہ حکم دے رہا ہے اے محبوب آپ فرما دیجیے کہ میں نے تمہیں جو تبلیغ کی ہے، اسلام کی دعوت دی ہے، اسلامی احکام تم تک پہنچائے ہیں اس کے بدلے میں تم سے کوئی اُجرت اور معاوضہ نہیں چاہتا سوائے اس کے جو میرے قرابت دار یعنی اہل بیت ہیں ان سے محبت کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔

(رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، رقم الحدیث ۲۳۸۸، ۲۶۳۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حرمات ہیں، جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے، جو دین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سی تین حرمات ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی حرمت میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔

(رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر والاوسط الرقم ۲۰۳ وفی المعجم الکبیر ۱۲۶/۳ الرقم ۲۸۸۱/۸۸ ۱۰)

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوران حج عرفہ کے دن دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار خطاب فرما رہے ہیں، پس میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: اے لوگوں میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم اسے مضبوطی سے تھام لو تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ چیز کتاب اللہ اور میری عترت (اہل بیت) ہے۔

(رواہ الترمذی فی السنن باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶۶۲/۵ الرقم ۳۷۸۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کی فضیلت و عظمت اور شان میں بہت سی احادیث موجود ہیں لیکن ہم نے یہاں صرف تین بیان کی ہیں جن سے اہل بیت کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اہلِ بیت نجات کی کشتی ہیں ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے، ہمیں قرآنِ مجید فرقانِ حمید اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی درس ملتا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت کی جائے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے دامن سے وابستگی میں زندگی بسر کی جائے کیونکہ اسی میں نجات ہے، اِسی میں فلاح ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔

یہ بات روزِ روشن کہ طرح عیاں ہے کہ اہلِ بیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے اور محبوب کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے، کیونکہ اہل بیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں اس لیے وہ

یقیناً اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے محبوبوں کا ذکر جس سے چاہتا ہے کروا لیتا ہے۔اور اس کی مثال زیر نظر رسالہ (حقوق اہل بیت) ہے جو ایک گروہ کے امام اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا لکھا ہوا ہے۔جس میں مصنف نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے تقریباً ستر آیات قرآنیہ اور تقریباً ستر احادیث نبویہ پیش کی ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ جیسا شخص جس کے عقائد ونظریات سے سب واقف ہیں وہ اہل بیت کی شان لکھے، یہاں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ لکھا نہیں بلکہ لکھوایا گیا ہے۔کیونکہ ایسے لوگوں سے محبوبوں کا ذکر کروانا اللہ تعالی کی شان ہے، وہ قادر مطلق ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے، یہ رسالہ ستر صفحات پر مشتمل ہے اِسے دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان سے شائع کیا گیا ہے۔ابن تیمیہ نے اس کتاب کے آخری باب" بدع وضلالات " (بدعتیں اور گمراہیاں) میں حضرت امام مہدی اور ان کے متعلق اہل تشیع حضرات کے عقائد فاسد کا رد بھی کیا ہے، لیکن اسی باب میں" مساجد و مزارت کے لیے نذر ونیاز ماننا کے عنوان سے ایسے مسائل کو چھیڑا ہے جو عقائد اہل سنت کے خلاف اور وضاحت طلب تھے۔

فاضل مترجم حضرت علامہ سید اشتیاق حسین شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ ذی علم شخصیت ہیں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے نہ صرف ان مسائل کی عالمانہ اور محققانہ انداز سے وضاحت کی ہے بلکہ اس سلسلے میں ابن تیمیہ کی پیش کردہ احادیث کے صحیح مفاہیم ومطالب کو سلف صالحین کے اقوال وآراء کی روشنی میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے، نیز مزید احادیث پیش کر کے مخالفین کے شکوک و شبہات کو رفع کر دیا ہے۔فاضل مترجم کی اس تحریر کو پڑھ کر یقیناً عوام اہل سنت کے قلوب واذہان مطمئن ہو جائیں گے، بلکہ فقیر یہ سمجھتا ہے کہ مخالفین بھی کسی تعصب اور ہٹ دھرمی کے

بغیر اس تحریر کو سنجیدگی سے پڑھیں گے تو ضرور قائل ہوں گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ انہیں ہدایت بھی حاصل ہو جائے۔ فقیر کا تعلق چونکہ ایک خانقاہ سے ہے اس لیے اس موضوع پر بہت سی کتب کے مطالعہ کا موقع ملا اور ان اعتراضات کے جوابات پر مشتمل دیگر علماء اہل سنت کی تحریریں بھی نظر سے گزریں لیکن جس انداز سے فاضل مترجم نے ان احادیث کی تشریح کی ہے وہ بالکل انوکھا اور منفرد انداز ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کو صحت تندرستی کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائے۔ اور ان کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، آمین۔ فقیر نے اپنے نہایت ہی مشفق ومہربان دوست علوم جدیدہ وقدیمہ پر ماہرانہ دسترس رکھنے والی شخصیت جانشین شرف ملت حضرت علامہ ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی دامت برکاتہم العالیہ کے ارشاد پر یہ چند سطور تحریر کی ہیں۔ آخر میں میری یہ دعا ہے کہ مولا تعالیٰ اس ترجمہ کو عوام وخواص میں مقبولیت عطا فرمائے اور اس کے ذریعے عوام اہل سنت کو مسلک حق اہل سنت پر مزید استقامت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خاکپائے مخدوم سمنانی

فقیر ابوالمکرم ڈاکٹر سید محمد اشرف جیلانی

سجادہ نشین درگاہ عالیہ اشرفیہ اشرف آباد فردوس کالونی کراچی

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۵ نومبر ۲۰۱۳ھ بروز پیر

کلماتِ تحسین

صاحبزادہ سید محمد ضیاء محی الدین گیلانی

اہلِ بیت اطہار کا جب بھی ذکرِ جمیل ہو، اہلِ محبت کے دلوں میں عقیدتوں کے دیپ روشن ہو جاتے ہیں۔ روح کو قرار ملتا ہے، ہستی کو نکھار ملتا ہے، محبتوں کو خمار ملتا ہے اور سرشاری کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ گھرانہ ایسا بے مثال، لاجواب اور لازوال ہے کہ جسے خالق کائنات نے عظیم المرتبت اور جلیل القدر شان عطا فرمائی۔ یہ نسب تمام انساب سے اعلیٰ ہے۔ یہ گھرانہ تمام گھرانوں سے بالا ہے۔

ان کی شان جداگانہ ہے۔ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فضیلت کسبی طور پر عطا نہیں ہوئی بلکہ یہ خاص عظمت نسبی طور پر انہیں حاصل ہے۔ اس لیے یہ عظمت وشان کی معراج رکھتے ہیں۔ یہ ایسا مہکتا ہوا گلشن کرم ہے کہ جس نے اپنی خوشبوؤں سے ہر دور اور ہر جہان کو معطر کیا۔ اس گھرانے کے ایک ایک فرد کا مقام ارفع اور اعلیٰ ہے۔ کسی انسان کی کیا اوقات کہ وہ ان کی صفت وثنا کا حق ادا کر سکے کیونکہ اس پاک نسل کے مرکز اور جدِّ اعلیٰ وہ کریم اور عظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں بے مثال ہیں۔ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، مجدّدِ دین وملت احمد رضا خان بریلوی نے کیا خوب محبت کا اظہار فرمایا۔

کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

خوش قسمت ہے وہ زبان جو ان کی مدح سرائی میں مصروف ہے۔ طیب وطاہر ہے وہ دل جو ان کی محبت سے معمور اور سرشار ہے۔ ہر زمانے اور ہر دور میں گلشن علم وحکمت کی

بہاروں اور تحقیق کے عظیم کرداروں نے اس عظیم گھرانے کی صفت وثنا بیان کر کے اپنا نام سعادت مندوں کی فہرست میں لکھوایا ہے۔ یہ اہل بیت اطہار کی عظمت وشان کا ایک عظیم ثبوت ہے کہ ابن تیمیہ نے بھی ایک رسالہ بنام ''حقوق آل البیت'' تحریر کیا۔

زیرِ نظر علمی کاوش اسی رسالہ کا ترجمہ ہے جسے فخر السادات حضرت علامہ پیر سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی نے نہایت خوبصورت انداز میں تحریر فرمایا ہے اور اس ترجمہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے منفی نظریات وعقائد کا رد مترجم نے نہایت دل نشیں اور عام فہم انداز میں کرتے ہوئے اہلِ حق (اہلِ سنت وجماعت) کا تحقیقی موقف واضح کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے مترجم کی یہ ایک عظیم علمی اور تحقیقی کاوش ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت قبلہ پیر سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی صاحب پر بابِ مدینۃ العلم کا خصوصی لطف وکرم ہے کہ یہ ہمیشہ اہل بیت اطہار کی عظمت وطہارت کے پاسبان ہیں۔

اللہ تعالیٰ مخدومۂ کائنات، ملکۂ فردوسِ بریں حضرت سیدہ فاطمہ طیبہ، طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وسیلہ پاک سے قبلہ گیلانی صاحب کو مزید برکتوں سے مالا مال فرمائے اور ان کو علم وتحقیق کے میدان میں بے شمار کمالات عطا فرمائے۔

گدائے اہل بیت اطہار

صاحبزادہ سید محمد ضیاء محی الدین گیلانی

دربارِ عالیہ غوثیہ قادریہ مصطفائیہ ہڑپہ شریف

تقریظ

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری

اہل بیت کا اسم گرامی سمع نواز ہوتا ہے تو پلکیں ادب سے جھکتی چلی جاتی ہیں اور دل عقیدت اور محبت سے بچھتے چلے جاتے ہیں، اہل بیت کی محبت ایمان کی علامت ہے اور اِن کی توقیر سے محرومی واضح شقاوت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی ہے، راقم نے اہل بیت کی منقبت لکھتے ہوئے کہا تھا:

جب محبت سے پکارا میں نے نام اہل بیت　　　خود بخود پاکیزگی قلب ونظر پہ چھا گئی

صحابہ کرام سے لے کر عہد حاضر تک اہل ایمان محبت اہل بیت کو ایمان کی تازگی کا ذریعہ سمجھتے رہے ہیں، صحابہ کا یہ عمل ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

ہم پہ لازم ہے سدا احترام اہل بیت　　　کر دیا اصحاب نے ثابت یہ قول وفعل سے

سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سید زادے کی تکریم کے طفیل ولایت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہوا اور آپ سید الطائفہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آزمائش اور ابتلاء سے دوچار خانوادۂ اہل بیت کے گھرانے کو حج کے لئے جمع پونجی پیش کرنے والے شخص کا حج حرمین شریفین حاضری کے بغیر نہ صرف قبول ہوا بلکہ حج کے لیے حرمین شریفین حاضر ہونے والے دیگر حجاج کے لیے بھی قبولیت کا ذریعہ بنا۔

سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے پالکی میں سواری کے دوران اپنی ایمانی بصیرت سے پالکی برداروں میں ایک سید زادے کے وجود کو محسوس کیا تو ایک لمحہ تردد کئے بغیر پالکی نیچے رکھنے کے لئے فرمایا اور دیدۂ نم کے ساتھ پالکی برداروں سے

پوچھا: آپ کے درمیان کوئی سید زادہ تو نہیں؟ اور جب ایک پالکی بردار نے اِس مقدس نسبت کا اعتراف کر لیا تو پھر وقت کے امام اور اپنے عہد کے عظیم مجدد نے اپنے عقیدے مندوں کے ہجوم، اپنے علم و فضل اور اپنے جبہ و دستار کو اہل بیت سے عقیدت و محبت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا بلکہ اپنا سب کچھ اہل بیت پر نثار کر کے اپنے آپ کو ربّ کی رحمت اور پیارے آقا کی شفاعت کے حقداروں میں شامل کر لیا۔ چشمِ فلک نے بھی تعجب کی نظر سے تکریم اہل بیت کا یہ منظر دیکھا کہ علوم و فنون کی دنیا کا بادشاہ ایک سید زادے سے کس لجاجت کے ساتھ معافی مانگ رہا ہے۔ اور جب خانوادۂ اہل بیت کے اُس فرد نے معافی کا اعلان کر دیا تو امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے گلشنِ سیدہ زہراء کے اُس پھول سے گزارش کی: اب آپ پالکی میں سوار ہوں گے اور میں اسے اٹھانے والوں میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کروں گا، سید زادے نے بہت معذرت کی مگر امام احمد رضا خان کی لجاجت اور عقیدت و محبت کے سامنے سید زادے کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور اگلے ہی لمحے امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان مخدوم زادے کو پالکی میں بٹھا کر شاداں و فرحاں کہار بن کر پالکی برداروں کے ہمراہ چلتے ہوئے جا رہے تھے اور زبانِ حال سے یہ اعلان کرتے جا رہے تھے: لوگو! اہل بیت کے حوالے سے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کو کبھی مت بھولنا۔ اہل بیت کی توقیر میں کبھی کمی نہ کرنا۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی پر اہلِ بیت سے اس محبت کے سبب بعض لوگوں نے شیعہ ہونے کا الزام بھی لگایا۔ اور ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے امام شافعی پر بھی یہی الزام لگایا گیا تھا، تب آپ نے فرمایا تھا:

لو کان رفضا حب آل محمد　　　فلیعلم الثقلان انی رافض

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے بھی ببانگ دہل اہلِ بیت سے محبت کا اعلان کیا تھا، آپ قصیدۂ نوریہ میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یوں عرض گزراہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

اہل بیت کی محبت اور عظمت کو اجاگر کرنے والی پیش نظر کتاب اپنے مصنف کے بہت سے پیروکاروں کو یہ سوچنے پر مجبور کردے گی کہ اہل بیت کی محبت سے روگردانی شقاوت اور بدنصیبی کا راستہ ہے جبکہ سلامتی اور سعادت مندی اہلِ بیت کی محبت میں ہی پوشیدہ ہے۔ ہمارے ایک بزرگ مولانا عبدالغفار ظفر صابری رحمتہ اللہ علیہ نے اہلِ بیت کی محبت میں سرشار ہو کر کہا تھا:

بڑا ہی صاحبِ توقیر ہوں میں　　　نبی کی آل کا قطمیر ہوں میں

اس کتاب کا ترجمہ خانوادۂ اہل بیت ہی کے ایک گل سرسبد علامہ سید اشتیاق حسین شاہ صاحب نے آسان اور عام فہم انداز میں کر کے ایک عظیم علمی اور ایمانی خدمت سرانجام دی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب نے مصنف کے بعض شکوک وشبہات کا علمی، سنجیدہ اور متین لب و لہجے میں جواب بھی دے دیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائے، ہمارے مہربان اور فاضل دوست علامہ حیات قادری مدظلہ العالی نے اس کتاب کی اشاعت کا انتظام کیا اللہ تعالیٰ مصنف، ناشر اور صفہ فاؤنڈیشن کے معاونین کو اس دینی اور ایمانی خدمت پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم

اَلحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الاَنبِيَاءِ وَ الْمُرسَلِينَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصحَابِهٖ اَجمَعِينَ اِلٰى يَومِ الدِّينِ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدٍ مَعدِنِ الجُودِ وَالكَرَمِ مَنبَعِ العِلمِ وَالحِلمِ وَالحِكَمِ طِبِّ القُلُوبِ وَ دَوَائِهَا وَ عَافِيَةِ الاَبدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُورِ الاَبصَارِ وَضِيَائِهَا وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحبِهٖ دَائِمًا اَبَدًا۔

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيبِكَ خَيرِ الخَلقِ كُلِّهِمِ

يَا رَبِّ بِالمُصطَفٰى بَلِّغْ مَقَاصِدَنَا وَاغفِرْ لَنَا مَا مَضٰى يَا وَاسِعَ الكَرَمِ

لِي خَمسَةٌ اُطفِي بِهَا حَرَّ الوَبَاءِ الحَاطِمَة

اَلمُصطَفٰى وَالمُرتَضٰى وَابنَاهُمَا وَالفَاطِمَة

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ الله

قَدْ ضَاقَتْ حِيلَتِي اَدرِكْنِي يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ الله

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيكَ وَعَلٰى آلِكَ

وَاَصحَابِكَ يَا سَيِّدِي يَا حَبِيبَ الله

بِسۡمِ اللہ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{... قُلۡ لَّاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ط ...}

[الشوری ۴۲:۲۳]

اے محبوب کریم! فرما دیجئے میں اس (دعوت حق) پر تم سے

کچھ اجرت (کوئی معاوضہ) نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

نذرانہ عقیدت

(بصد ادب واحترام وبصد عجز و نیاز)

بحضور

پنجتن پاک' جو مقصودِ کائنات ہیں

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیر النساء، حسین و حسن، مصطفیٰ، علی

علیہم السلام

بتوسط

سلطان الاولیاء، پیران پیر، محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی،

غوثِ اعظم سید عبد القادر جیلانی الحسنی والحسینی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی نگاہِ کرم وعنایت اور فیوض و برکات ہی فقیر کے لئے سرمایہ حیات ہیں۔

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت	میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے	حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

شرفِ انتساب

سید الکونین جنابِ مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والثناء کے نواسوں کے نام

اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے شہزادوں کے نام

جن کی پاکیزگی وطہارت پر اللہ کا قرآن گواہ ہے۔

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں

آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلِ بیت

کہتے ہیں کہ جب نمرود مردود نے جناب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کو زندہ جلانے کے لیے ایک نہایت ہیبت ناک آگ روشن کروائی تو چشمِ فلک نے دیکھا کہ ایک ننھا سا پرندہ ابابیل اپنی چونچ میں پانی کے دو تین قطرے لئے بڑی بے قراری اور اضطراب کے عالم میں اس ہیبت ناک آگ کی طرف اُڑا جا رہا ہے۔

کسی نے پوچھا: میاں ابابیل اتنی بیتابی کے ساتھ کہاں اُڑے جا رہے ہو؟

تو ننھا ابابیل بولا: نمرود کی آگ بجھانے جا رہا ہوں۔

کہا گیا کہ کیا تمہاری چونچ میں پانی کے یہ چند قطرے نمرود کی آگ بجھا دیں گے؟

ننھا ابابیل بولا: یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ میری یہ کمزور سعی (کوشش) اس سلسلے میں کچھ بھی کام نہ دے گی لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جب نمرود کی آگ بجھانے والوں کی

فہرست بنائی جائے گی تو اس میں میرا نام بھی ضرور شامل کیا جائے گا۔

یونہی بازارِ مصر میں حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے خریداروں میں ایک غریب بڑھیا بھی تھی جو سوت کی اٹّی لے کر خریدنے پہنچی تھی۔ اسے کہا گیا کہ تو سوت کی اٹّی سے آپؑ کو کیونکر خرید سکتی ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا: یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ میں انہیں خرید نہیں سکتی مگر آپ کے خریداروں کی فہرست میں میرا نام تو آئے گا۔

چنانچہ میں بھی بکمالِ عجز وادب اپنی اس تحریر کو سیدہ زہراء سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے شہزادوں کی بارگاہ بیکس پناہ میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ اس انتساب کی برکت سے بروزِ حشر اس فقیر پر تقصیر کو ان کے جدِّ امجد کے حضور میں خدّامِ بارگاہ یہ کہہ کر پیش کریں کہ

"انه کان یذبّ عن آلك المجتبیٰ"

(یہ وہ ہے جو آپ کے شہزادوں کی طرف سے مدافعت کیا کرتا تھا)

بایں ہمہ گناہ، نیم نا امید از و

خواہم سیاہ نامہ خود را سپید از و

امیدوار و طلبگارِ شفاعت

سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی کریم رؤوف رحیم نورِ مجسم شفیع معظم فخرِ آدم و بنی آدم سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تمام محاسن واوصاف، بے حد فضائل وکمالات، جملہ محبوبیاں اور ان گنت خوبیاں عطا فرما کر عظمت وفضیلت اور رفعت وافضلیت کے اس مقامِ رفیع پر فائز فرمایا ہے جس کی کوئی حد وانتہا نہیں۔

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ (الضُّحٰی ۹۳:۴)

اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔

یہ وہ ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا مرتبہ ومقام ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کا حصّہ ہے جس میں کوئی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شریک وسہیم نہیں۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ

فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

آپ اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک اور اپنے محاسن وکمالات میں بے مثل ہیں پس آپ کا جوہرِ حسن تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری

حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

رب العالمین جل مجدہٗ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو محبوبیتِ عظمیٰ کا شرف

عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر انور پر محبوبیت کبریٰ کا تاج سجایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے محبوبِ اکبر واعظم ہیں کہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بن جائے وہ بھی محبوب قرار پائے۔

...فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ...۔ (آل عمران ۳:۳۱)

تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ (تعالیٰ)۔

خود حضور نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نعمتِ خداوندی اور فضل وعطائے الٰہی کا اظہار بایں الفاظ فرماتے ہیں:

اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ۔ (الحدیث)

ذرا غور سے سن لو (اور میرا منصب ومرتبہ میری زبانی سنو) کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔

اللہ کریم جل مجدہٗ نے اپنے حبیبِ کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جمیع انسانیت اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا...۔ (الاعراف ۷:۱۵۸)

تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

اِنِّیْ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً۔ (الحدیث)

مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتکریم اور توقیر وتعظیم کا حکم فرمایا،

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ...۔ (الفتح ۴۸:۹)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واتباع کو فرض قرار دیا۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ۔ (ال عمران ۳:۳۱)

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے آداب بھی سکھلائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر آواز بلند ہونے کی صورت میں تمام اعمال کے اکارت اور ضائع جانے کا فیصلہ سنایا۔

...لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۞ ۔ (الحجرات ۴۹:۲)

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر جبریل کو یوں کہتے ہوئے پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

گویا کہ اُمّت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق مقرر فرمائے جنھیں بجالانا ایک سچے غلام اور اُمتی کے لیے واجب وضروری اور لازم وفرض ٹھہرا۔ علماءِ اسلام نے اپنی کتب میں ان حقوق کا تذکرہ کیا ہے بالخصوص قاضی امام حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی مالکی علیہ الرحمۃ المتوفیٰ ۵۴۴ ہجری نے اس سلسلے میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ) تصنیف فرمائی جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کا تفصیلی تذکرہ کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے ایک حق

یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ پاک، اہلِ بیت اطہار سے مودّت ومحبت کی جائے اوران کے حقوق کی پہچان وادائیگی اوررعایت وحفاظت کی جائے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اھلِ بیت اطہار کی محبت ومودّت اوران کے حقوق کی پہچان و ادائیگی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی پہچان وادائیگی ہے۔ چنانچہ خود حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت اطہار کے حقوق کی حفاظت کی تلقین فرمائی، ان سے محبت رکھنے کا حکم دیا، ان کے ساتھ عداوت وبغض رکھنے سے منع فرمایااوران کے حقوق کی پہچان وادائیگی کی تاکید فرمائی۔

چنداحادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشادفرمایا:

یَاَیُّھَا النَّاسُ! اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ۔ (رواہ الترمذی، کتاب المناقب،مشکوۃشریف)

اے لوگو! میں تم میں وہ (دوعظیم چیزیں) چھوڑے جارہاہوں کہ اگرتم ان سے وابستہ رہوگےتوکبھی گمراہ نہ ہوگے (ایک) اللہ کی کتاب اور (دوسری) میری عترت یعنی اہلِ بیت۔

صحیح مسلم شریف میں ہے، غدیرخم کے مقام پرارشادفرمایا:

"اَنَا تَارِکٌ فِیْکُمْ ثَقَلَیْنِ: اَوَّلُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ الْھُدٰی وَالنُّوْرُ، فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰہِ، وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ"۔ فَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَرَغَّبَ فِیْہِ، ثُمَّ قَالَ" وَاَھْلُ بَیْتِیْ، اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ، اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ، اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ

بَیۡتِیۡ"۔(مسلم شریف،فضائل الصحابۃ،۲۴۰۸:۳۶،مشکوۃ شریف)

کہ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا (اُبھارا) اور اس کی ترغیب دی۔ پھر فرمایا اور (دوسرے) میرے اہل بیت ہیں میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے سنن ترمذی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ نیز اسے صاحبِ مشکوۃ نے ذکر کیا ہے اور امام قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے بھی کتاب الشفاء میں بیان کیا ہے۔

عَنۡ زَیۡدِ بۡنِ اَرۡقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِنِّیۡ تَارِکٌ فِیۡکُمۡ مَا اِنۡ تَمَسَّکۡتُمۡ بِہٖ لَنۡ تَضِلُّوۡا بَعۡدِیۡ، اَحَدُھُمَا اَعۡظَمُ مِنَ الۡاٰخَرِ: کِتَابُ اللّٰہِ حَبۡلٌ مَّمۡدُوۡدٌ مِّنَ السَّمَاءِ اِلَی الۡاَرۡضِ، وَ عِتۡرَتِیۡ اَھۡلُ بَیۡتِیۡ، وَلَنۡ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الۡحَوۡضَ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ تَخۡلُفُوۡنِیۡ فِیۡھِمَا۔

(ترمذی شریف، المناقب، ۳۷۸۸، مشکوۃ شریف، کتاب الشفا)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم میں وہ (دو عظیم چیزیں) چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انھیں تھامے رہو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ (ایک) اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک دراز رسّی ہے اور (دوسری) میری عترت یعنی میری اہل بیت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں

گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھے ملیں گے۔ تو غور وفکر کرو کہ تم میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو۔

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ نے ابوالشیخ عبداللہ بن محمد اور امام دیلمی سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری اولاد کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ منافق ہے۔ (حسب ونسب ج ۱ ص ۵۵)

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ مزید روایت بیان کرتے ہیں:

اِنَّهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اِلْزَمُوْا مَوَدَّتَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّهٗ مَنْ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ يَوَدُّنَا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِنَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَنْفَعُ عَبْدًا عَمَلُهٗ اِلَّا بِمَعْرِفَةِ حَقِّنَا۔ (صواعق محرقہ ص ۲۶۳)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم اہلِ بیت کی محبت لازم پکڑو پس جو شخص اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری شفاعت سے اسے جنت میں داخل فرمائیگا اس ذات کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہمارے حقوق کی پہچان کے بغیر بندے کا کوئی عمل اسے نفع نہیں دے گا۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایک مدّت سے یہ ارادہ تھا کہ حقوقِ اہلِ بیتِ اطہار کا ایک مختصر سا خاکہ ضبطِ تحریر میں لایا جائے تاکہ جاہل وناواقف کے لئے واقفیت کا سامان، غافل کے لئے تنبیہ کا باعث اور مخالفین کے لئے اِتمام حجت کا کام دے۔ جبکہ اس میں ایسی راہِ اعتدال اختیار کی جائے جو ہمیشہ سے اہلِ حق کا دستور رہا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو خوارج ونواصب کا گروہ ہے جو اہلِ بیتِ اطہار کی عظمت کا منکر ہے اور دوسری طرف گروہِ روافض، جو محبتِ اہلِ بیت کی آڑ میں عظمتِ صحابہ کا منکر ہے لہٰذا اہلِ حق پر

لازم ہے کہ وہ ان (خوارج ونواصب اورروافض) کے مکروفریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے عوامِ اہلسنت کو آگاہ کریں کہ عظمتِ اہل بیتِ اطہار کا دفاع اور ان کی مودّت ومحبت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناموس کا تحفظ اوران کی محبت وعقیدت سنّیت کا امتیازی نشان ہے۔

اس لئے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ، مَنْ رَکِبَ فِیْھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ۔

کہ میرے اہلِ بیت کی مثال، حضرت نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی طرح ہے، جواس میں سوار ہوااس نے نجات پائی اور جو باہر رہا وہ غرق ہوا۔

اور صحابہ کرام کی شان میں فرمایا: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں توتم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کروگے، ہدایت پاجاؤگے۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

مگر (ایک مدت گزر جانے کے باوجود) اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا تو حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان والاشان بار بار یاد آیا۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ۔
کہ ارادوں کے ٹوٹنے سے میں اپنے رب کو پہچانتا ہوں۔

دریں اثناء رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ سے چند دن پہلے (ابن تیمیہ) کا ۷۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ بنام (حُقُوقُ آلِ الْبَیْت) نظر سے گزرا جسے دیکھ کر دل بے ساختہ پکار اٹھا،

اللہ اللہ نبی کا گھرانہ		یہ گھرانہ وراء الوراء ہے
اس میں حسنین ہیں سیدہ ہیں		اس گھرانے میں مشکل کشا ہے

ابن تیمیہ، جو نجدیوں کا امام اور شیخ الاسلام ہے، وہ کہاں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار کی عظمت وشان کا بیان کہاں؟

فوراً دو باتیں ذہن میں آئیں:

(۱) حدیث شریف میں وارد ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ کہ اللہ کریم نافرمانوں اور فاجروں سے بھی اپنے دین کی تائید وحمایت کروالیتا ہے

(۲) یہ کہ عربی کا مشہور مقولہ ہے ''اَلْفَضْلُ مَا شَھِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاء'' خوبی اور فضل وکمال تو یہ ہے کہ دشمن بھی اس کی گواہی دیں۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں: جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتِ اطہار کی عظمت وطہارت، فضل وکمال اور رفعت وشان کا کیا کہنا کہ امام الوہابیہ ابن تیمیہ جیسے شخص کو بھی اس کے اعتراف واقرار کے بغیر چارہ نہیں۔

۸۷۔۱۹۸۶ میں یہ رسالہ (حقوقُ آلِ البیت) دار الکتب علمیہ بیروت لبنان سے شائع ہوا۔ اس ۷۰ صفحات پر مشتمل رسالہ میں ابن تیمیہ نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے تقریباً ستر (۷۰) آیاتِ قرآنیہ اور تقریباً ستر (۷۰) احادیث نبویہ پیش کی ہیں۔

درج شدہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی تخریج استاد عبد القادر احمد عطا اور استاد مصطفی عبد القادر احمد عطا نے کی ہے۔ لہذا فقیر نے اس کا اردو ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور رمضان المبارک کی مقدس اور بابرکت ساعتوں میں ترجمہ کا آغاز کیا۔ کریموں کی کرم نوازی سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ملی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چونکہ مصنفِ کتاب امام الوہابیہ ابن تیمیہ ہے اس لئے اس میں مثبت پہلوؤں کے ساتھ ساتھ کچھ منفی پہلوؤں کا ہونا بھی ناگزیر تھا جنھیں بدع وضلالات (بدعتیں اور گمراہیاں) کے باب میں "مساجد و مزارات کے لئے نذر ماننا" کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا فقیر نے اس مقدمہ میں ان کی نشاندہی کردی ہے اور ان کا رد کرتے ہوئے اہلِ حق (اہل سنت وجماعت) کا تحقیقی مؤقف واضح کردیا ہے۔

سب سے پہلے ہم کتاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔ اس کے بعد شیخ ابن تیمیہ نے "مساجد و مزارات کے لئے نذر ماننا" کے عنوان سے جن مسائل کو چھیڑا اور موضوع گفتگو بنایا نیز ان پر بحث کرتے ہوئے آیات واحادیث درج کتاب کی ہیں، ان کی وضاحت و تحقیق کے لئے درج ذیل عنوانات پر گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز

بدعت اور اسکا مفہوم، ابن تیمیہ کی پیش کردہ احادیث، ان کے صحیح مفاہیم ومطالب، (بسلسلۂ قبور اور ان کی زیارت، بالخصوص زیارت روضۂ اقدس سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قبریں ہیں بھی کہ نہیں؟ مزارات پر چراغاں کرنا، حدیث بل ما شاء اللہ وحدہ پر بحث، یمین (قسم) اور اس کا کفارہ، نذر، اس کی اقسام اور ان کے احکام، عقیدۂ شفاعت اور اس کا مفہوم، نیز کتاب وسنت سے حضور سرکار دوعالم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا ثبوت۔

کتاب ایک نظر میں

(۱) خطبہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار کی معرفت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی محبت واطاعت کو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و اطاعت قرار دیا ہے۔

(۲) مقدمہ میں ثابت کیا ہے کہ کتاب وسنت، اسلام کی اساس وبنیاد ہے اور یہی اُمت مسلمہ کا مرکزِ وحدت واتحاد ہے۔

(۳) اہل بیت اوران کے خصائص کے باب میں سب سے پہلے یہ بحث کی ہے کہ اہلبیت کون ہیں؟ اور پھران کے لئے تطہیر اور درود شریف میں شامل کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔

(۴) اہل بیت کیلئے کیا روا ہے اور کیا نہیں؟ کے عنوان سے ان کے لئے صدقات کی حرمت اور اموالِ فئی اور اموالِ غنیمت میں سے ان کو خمس دیئے جانے کا تذکرہ کیا ہے۔

(۵) سَبُّ الصَّحَابَةِ حَرَامٌ. اس باب میں قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سبّ وشتم کرنا (گالی گلوچ اور برا بھلا کہنا) سخت حرام ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں مغفرت وبخشش اور رضا وخوشنودی کی سند عطا فرمادی ہے۔

(۶) حضرت امام علی علیہ السلام کے مذہب سے شیعہ کی جہالت، کا عنوان قائم کر کے واضح کیا ہے کہ اگر چہ مولائے کائنات امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی تمام جنگوں میں، جن جن سے بھی لڑے، ان سب کے مقابلے میں آپ ہی حق پر تھے، تاہم جنگِ جمل وصفّین اور خارجیوں (حروریوں) کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں فرق ہے۔

نیز یہ بھی وضاحت کی ہے کہ حدیثِ پاک کے مطابق خلافت تیس برس ہوئی، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام پانچویں خلیفہ راشد ہوئے اور جب تیس سال پورے ہوئے تو آپ نے امرِ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اور یوں وہ پہلے بادشاہ اور سلطانِ اسلام قرار پائے۔

(۷) ضلالت و گمراہی کے اسباب و عوامل پر گفتگو کی ہے۔ اور کتاب و سنت کے علم وفہم کی کمی و قلت نیز ظن و گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کو گمراہی کے اسباب قرار دیا ہے۔ گمراہ فرقوں کے نظریات کا مختصر خاکہ اور ان کے مقابلے میں اہلسنت کا معتدل عقیدہ و نظریہ بھی پیش کر دیا ہے۔

(۸) مصیبت کے وقت اہلِ استقامت کا مظاہرۂ صبر و ثبات، اس باب میں شہزادگانِ رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا علیہ السلام کی شہادت کا تذکرہ بھی کیا اور ان کے قاتلین، قتل کا حکم دینے والوں، مدد کرنے والوں اور اس پر راضی ہونے والوں کو ملعون (لعنتی) قرار دیا ہے۔ یومِ عاشوراء کو ایک عظیم دن اور کربلا کے صدمہ کو ایک عظیم صدمہ اور حادثہ قرار دیتے ہوئے اہلبیتِ اطہار کے صبر و استقامت کا ذکر کیا۔ اور ماتم و نوحہ وغیرہ کی حرمت کو واضح کیا ہے۔ نیز دیگر بدعات کا ردّ اور یومِ عاشوراء کے روزے کا اثبات کیا ہے۔

(۹) بدع و ضلالات، بدعتیں اور گمراہیاں۔

یہ کتاب کا آخری باب ہے۔ اس میں اگرچہ حضرت سیدنا امام مہدی علیہ السلام کا تذکرہ اور ان کے بارے میں شیعہ کے عقیدۂ فاسدہ کا ردّ بھی موجود ہے جو بہت خوب ہے۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی جہاں کہیں سے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا جائے، اس کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باگاہ میں پیش کیا جانا، اہلِ قبور کو سلام کرنا اور ان کے لئے دعاواستغفار اور انھیں اس کا نفع پہنچنے (ایصالِ ثواب) کا ثبوت موجود ہے۔ تاہم یہی وہ باب ہے جس میں ''مساجد ومزارات کے لئے نذر ماننا'' کے عنوان سے شیخ ابن تیمیہ نے کچھ ایسے مسائل کو چھیڑا ہے جو تشنۂ وضاحت ہیں جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات (ص ۲۹) میں کر چکے ہیں۔ چونکہ ان کی وضاحت و تحقیق لازم وضروری ہے لہذا اسب سے پہلے ہم بدعت اور اس کا مفہوم پیش کرتے ہیں پھر دیگر پہلوؤں کا جائزہ پیش کریں گے۔

وَمَا تَوْفِيْقِي اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْب۔

ضروری نوٹ:

ہم قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ جب اس باب (بدع وضلالات) کا مطالعہ کریں تو اس سے قبل ہمارے اس وضاحتی بیان کو دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ شکریہ

بدعت اوراس کا مفہوم:

امام نووی، ملا علی قاری، علامہ ابن اثیر، علامہ طاہر پٹنی، ابن منظور افریقی، علامہ عز بن عبدالسلام، سید شریف جرجانی، محدث عبدالغنی نابلسی، ابن عابدین شامی، سید محمود آلوسی بغدادی، امام جلال الدین سیوطی، امام ابن حجر مکی، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عبدالسمیع رامپوری وغیرہم نے بدعت اوراس کے مفہوم پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

بدعت کا لغوی معنی: نئی چیز۔

بدعت کا شرعی معنی:

وَفِی الشَّرۡعِ اِحۡدَاثُ مَا لَمۡ یَکُنۡ فِیۡ عَهۡدِ رَسُوۡلِ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم۔

یعنی شریعت میں بدعت اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو۔

پھراس نئے کام یعنی بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعتِ حسنہ (محمودہ) اور (۲) بدعتِ سیئہ (مذمومہ)

۱۔ بدعت حسنہ: وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو۔

۲۔ بدعت سیئہ: وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف ہو، یا سنت کو مٹانے والا ہو، مزاجِ اسلام کے خلاف ہو اور دین کے کسی حکم کو تبدیل کر کے رکھ دے۔

ایک وہابی عالم علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

بدعت دو قسم کی ہے ایک بدعتِ ضلالت جس کو سیئہ بھی کہتے ہیں، دوسری بدعت ہدایت جس کو بدعت حسنہ بھی کہتے ہیں۔ جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعت ضلالت اور سیئہ ہے اور جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے موافق ہو گو اس کی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں (جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر یا بیت المساکین یا بیت المعذورین یا کتب خانہ یا قرضِ حسنہ کا بینک یا مدرسہ صنعت وحرفت وتجارت وزراعت وعلومِ دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب وعلاج ادویہ قائم کرے) وہ بدعت حسنہ ہے اور اس پر ثواب کی امید ہے بدلیل دوسری حدیث کے

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ (لغات الحدیث از علامہ وحید الزمان)

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے، اس سے مراد وہ کام ہیں جو اصولِ شریعت کے مخالف ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہوں، کیونکہ "وَ قَوْلُهُ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ عَامٌّ مَخْصُوصٌ مِنْهُ الْبَعْضُ" یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے۔

چنانچہ صحیحین (بخاری، مسلم) میں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

یعنی جس نے ہمارے اس دین میں وہ بات نکالی جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب وسنت کے خلاف ہے، تو اس کی وہ بات ردّ ہے۔

شارحین حدیث نے لفظ "مَا لَيْسَ مِنْهُ" کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں اشارہ

اس طرف ہے کہ اس چیز کا نکالنا جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو، برا نہیں ہے۔
شارحین حدیث کو اس طرح معنی کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ ابوداؤد شریف میں ہے:

مَنْ صَنَعَ اَمْرًا عَلٰی غَیْرِ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ۔

یعنی جس نے کیا کوئی کام ہمارے کام سے غیر طریقہ پر وہ ردّ (مردود) ہے۔
حضرت کا کام کتاب وسنت ہے، کتاب وسنت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کا مغیِّر یعنی بدل دینے والا ہوگا۔

حاصلِ حدیث:۔ الحاصل اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) سرکار علیہ الصلاۃ السلام نے لفظ ''مَنْ'' ارشاد فرمایا۔ عربی زبان میں یہ لفظ عام ہے اس میں کسی زمانے اور قرن کی قید نہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا کہ جو کوئی نکالے نئی بات اوّل قرن میں، دوسری میں، تیسری میں یا بالکل آخری زمانے میں بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ ردّ ہے۔

(۲) اس نئی نکالی ہوئی بات کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب وسنت کے۔ اُمورِ محدثہ یعنی بدعت کا حسنہ اور سیئہ ہونا موقوف، مخالفت اور عدمِ مخالفت کتاب وسنت پر ہے نہ زمانہ پر۔ اور یہ مسئلہ اصول میں ثابت شدہ ہے کہ جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اس حدیث میں ''فَھُوَ رَدٌّ'' حکم ہے، یہ اصل احداث پر راجع نہیں ہوگا بلکہ اس کی جو قید ''مَا لَیْسَ مِنْہُ'' ہے، اس کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات دین کے مخالف اور اسے بدل دینے والی ہوگی، وہ ردّ ہے۔ نہ یہ کہ جو کوئی بات عمدہ، صالح اور نیک، اصولِ دین کے موافق نکالی جائے وہ بھی ردّ ہے۔

اب اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ یعنی اچھی بات کا ایجاد کرنا برا

نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احداث کو لفظ ''مَا لَیْسَ مِنْہُ'' کے ساتھ مقید نہ فرماتے بلکہ یوں فرماتے ''مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ''

جب مقامِ مذمت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احداث کو 'مَا لَیْسَ مِنْہُ' کے ساتھ مقید فرما چکے یعنی وہ نئی بات مردود ہے جو کسی طریقۂ اسلام اور سنت کے مخالف ہو۔ پس بدعت اور اس کی ممانعت میں جس قدر حدیثیں ہوں گی وہ راجع ہوں گی اِحداث اور بدعت مخالفِ اسلام کی طرف۔ نہ احداثِ خیر اور بدعتِ حسنہ کی طرف۔

اگر ہر نیا کام (بدعتِ) سیئہ اور ضلالت وگمراہی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہرگز یہ نہ فرماتے:

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَعُمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ، کُتِبَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا، وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئٌ،

وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً، فَعُمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ، کُتِبَ عَلَیْہِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا، وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئٌ۔ (صحیح مسلم، کتاب العلم ۱۵)

جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا پھر اس طریقہ پر اس کے بعد عمل بھی کیا گیا تو جتنا اجر وثواب اس طریقہ پر عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی اجر وثواب طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں سے ذرّہ برابر بھی کمی نہ کی جائے گی۔

اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا پھر اس کے بعد اس برے طریقہ پر عمل بھی کیا گیا تو جتنا گناہ عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی گناہ طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں ذرّہ بھی کمی نہ کی جائے گی۔

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے، اس حدیث سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے۔

(۱) یہ کہ بدعت حسنہ کا برا ہونا تو کیا بلکہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ثواب کا وعدہ دیا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مرجائیگا اور اس کے مرنے کے بعد دوسرے لوگ اس پر عمل کریں گے تو بعد موت بھی ان سب کے برابر اس کو ثواب پہنچتا رہے گا

یہی وجہ ہے کہ علماءِ شریعت نے طرح طرح کے اصول اور قواعد واسطے تہذیب علم ظاہر دین کے ایجاد کئے، اور اولیاءِ طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات اور اَشغال بعد قرونِ ثلاثہ واسطے تزئین اور تصفیہ قلب کے پیدا کئے۔

(۲) یہ کہ اس بدعتِ حسنہ کے ایجاد میں بھی وہی لفظ ''مَن'' جو عربی زبان میں ایک عام لفظ ہے، ارشاد فرمایا۔ یہ نہ فرمایا کہ جو قرونِ ثلاثہ میں کوئی آدمی طریقہ حسنہ جاری کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو بعد میں کرے گا تو اس کو عذاب ہوگا اور وہ بدعتی ہوگا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جب بھی طریقۂ نیک جاری کرے گا ثواب ہوگا۔

حاصل کلام: بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام:

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ وہ بدعت (نیا کام) جو سنت کے خلاف نہ ہو وہ بدعتِ حسنہ اور باعثِ ثواب ہے۔ اور جو بدعت (نیا کام) کسی سنت کے خلاف، اسے تبدیل کرنے والا اور مزاجِ اسلام کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ، ضلالت وگمراہی اور گناہ ہے۔

پھر بدعتِ حسنہ کی تین قسمیں ہیں: واجب، مستحب، جائز ومباح

اور بدعت سیئہ کی دو قسمیں ہیں: حرام، مکروہ

یوں بدعت کی کل پانچ قسمیں ہوئیں۔

(۱) بدعۃ واجبہ: اہلِ باطل کے عقائد ونظریات اور افکار کو روکنے کے لئے مناسب

دلائل اور علوم کی تحصیل جیسے علمِ نحو، صرف وغیرہ۔ تا کہ قرآن وحدیث کو سمجھا جا سکے۔ اگر چہ یہ علوم عہد رسالت میں موجود نہ تھے مگر قرآن وسنت اور دین کو سمجھنے کے لئے اب ان کی تعلیم و تدریس واجبات دینیہ میں سے ہے۔ یونہی جو باطل فرقے بعد میں ظاہر ہوئے ان کی تردید آج کل کے علماء پر فرض ہے۔

(۲) بدعۃ مستحبہ: وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی، بہتری اور فائدہ ہے، وہ مستحب ہیں۔ جیسے سرائے، ہوٹل، مدارس، یونیورسٹیاں کالجز، فنی ادارے، بلکہ ہر وہ امر مستحسن جو قرونِ اولیٰ میں نہ تھا۔

(۳) بدعۃ مباحہ: جیسے عمدہ اور لذیذ کھانے، مشروبات، نت نئے ملبوسات، سفری سہولیات، طبی تحقیقات، آٹا چھان کر استعمال کرنا۔ اگر چہ عہد رسالت میں ان چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ان چھنے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے۔ لیکن اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ اس کے لئے مباح ہے بدعت اور گمراہی نہیں کہ اُسے دوزخی ہونے کی بشارت سنادی جائے۔

(۴) بدعۃ محرمہ (حرام): ایسا فعل جو کسی سنت کے خلاف ہو۔ جیسے جبریہ وقدریہ وغیرہ کا مذہب۔

(۵) بدعۃ مکروہہ: وہ کام جس میں اسراف ہو وہ مکروہ ہے جیسے مساجد اور مصاحف کی غیر ضروری زیب وزینت اور بلا مقصد تزئین وزیبائش وآرائش وتحسین وغیرہ۔

پیش کردہ احادیث.....اوران کے صحیح مفاہیم ومطالب

قبورِ انبیاء وصالحین پر مساجد بنانے (بناء المساجد علی القبور) اور انھیں سجدہ گاہ بنانے اوران پر تصاویر رکھنے کی ممانعت کے سلسلے میں چند احادیث پیش کی گئی ہیں۔

(1) لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ، اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِد.

اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت فرمائی جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد (سجدہ گاہ) بنایا

(2) اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ.

جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے انبیاء وصالحین کی قبروں کو مسجد بناتے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

(3) وَلَمَّا ذُكِرَ كَنِيْسَةُ الْحَبْشَةِ قَالَ: اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ الرَّجُلُ فِيْهِمْ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ التَّصَاوِيْرَ، اُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

حبشہ کے ایک کنیسہ کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ان میں کوئی مردِ صالح انتقال کرتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں بناتے، وہ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک بدترین خلق ہیں۔

(4) لَعَنَ اللهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ.

قبروں کی کثرت کے ساتھ زیارت کرنے والی عورتوں، ان پر مسجدیں بنانے انھیں (قبروں کو) سجدہ گاہ بنانے اور وہاں چراغ لٹکانے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

(5) عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فَاَمَرَنِيْ اَلَّا اَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتُهٗ وَلَا تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتُهٗ۔

حضور مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا کہ میں جو تصویر پاؤں اس کو محو کردوں اور جو قبر بلند پاؤں اسے برابر کردوں۔

(6) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ۔

اے اللہ! جس طرح کسی بت کی عبادت کی جاتی ہے، میری قبر کو ایسا نہ بنانا۔

(7) لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا۔

میری قبر کو عید نہ بنانا۔

(8) لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا۔

قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف کو نماز ادا کرو۔

لہذا اب ہمیں یہ تحقیق پیش کرنا ہے کہ

(۱) احادیث مذکورہ بالا سے وہ نتائج اخذ کرنا، جو ابن تیمیہ نے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ ابن تیمیہ کی یہ کوشش بھی سعیٔ ناتمام ہی ہے کیوں کہ وہ خود بھی کما حقہ ان کا اصل مفہوم واضح نہیں کر پائے اور قارئین کو مغالطہ میں ڈالنے کے سوا انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔

(۲) کہ پھر ان احادیث مذکورہ بالا کا اصل مفہوم کیا ہے؟

چونکہ حدیث کا نام سن کر مسلمان کا سر عقیدت سے جھک جاتا ہے اور وہ دم مارنے

کی جرأت نہیں کرتا۔ صرف اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جو بیان کیا جارہا ہے، پڑھی گئی حدیث کا مفہوم بیان کیا جارہا ہے اس غریب کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اس حدیث کا جو مفہوم ومعنی بیان کیا جارہا ہے وہ خودساختہ ہے۔

لیجئے احادیثِ مبارکہ اور محدثین کرام کی شروحات کی روشنی میں ہم ان پیش کی جانے والی احادیث کا صحیح مفہوم ومحمل واضح کرتے ہیں، پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم

(۱) پہلی حدیث میں یہود پر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی قبروں کو مسجد (سجدہ گاہ) بنالینے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ اور یہ بات تو محض ترجمہ سے بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ یہود پر انبیاء وصلحاء کی قبروں کو مسجد بنالینے پر جو لعنت فرمائی گئی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟

احادیث کی شروح کی طرف ہاتھ بڑھانے سے قبل حدیث نمبر تین (۳) پر نظر کرنے سے یہ بات بالکل واضح اور روزِ روشن کی طرح صاف عیاں ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس میں ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان میں کوئی مردِ صالح انتقال فرماتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں ان کی تصویریں بناتے، وہ اللہ کے نزدیک بروزِ قیامت بدترین خلق ہیں۔

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا قبورِ انبیاء پر مسجد بنانا ان قبور یا تصویر کی عبادت کے لئے تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے والا مستحقِ لعنت ہے۔ چونکہ اس وقت لوگ تصویروں کی عبادت کے عادی تھے۔ اس لئے قبر پر بنائی جانے والی ان تصاویر کی مذمت فرمائی جن کی عبادت کی جاتی تھی۔

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ''فتح الباری شرح بخاری'' میں اس پر بحث

کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جو لوگ قبر پر تصویریں بناتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ان تصاویر سے مانوس ہوں اور انھیں دیکھ کر ان کے اعمال صالحہ یاد کریں اور ان کی طرح عبادت میں کوشش کریں۔ ان کے بعد ناخلف لوگ آئے جو ان کی مراد کو نہ پا سکے اور شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ تمھارے اسلاف ان تصاویر کی تعظیم اور پرستش وعبادت کرتے تھے پس انھوں نے ان تصاویر کی پرستش وعبادت شروع کر دی۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تصاویر کے بنانے سے بھی منع فرمادیا تھا تاکہ بت پرستی کا سدّ باب ہو سکے۔ (فتح الباری جلد ا ص ۵۲۵)

حدیث نمبر چھ (۶) میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہے۔ ارشاد فرمایا:

یارب میری قبر کو بت نہ بنا کہ پوجی جائے۔ اللہ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے انبیاء کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنایا۔

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ ہر سال لاکھوں کروڑوں مسلمان عشاق زیارت کے لئے جاتے ہیں مگر نہ کوئی قبرِ انور کو سجدہ کرتا اور نہ ہی اس کی طرف نماز پڑھتا ہے۔

اس حدیث میں بتادیا کہ قبروں کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے یا کم از کم انھیں قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔ جیسا کہ حدیث نمبر آٹھ (۸) میں ارشاد فرمایا: کہ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف کو نماز ادا کرو۔

اس سے خاص قبر کے اوپر بھی نماز ممنوع ہوئی کہ اس میں جلوس علی القبر ہوگا۔ اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی اور اس سے

اپنی امّت کو متنبہ فرمایا۔

ہر مومن قبر کی عبادت کو شرک جانتا ہے، معاذ اللہ کون مومن ہوگا جو قبر کو معبود بنائے؟

جن احادیث میں بناء علی القبور کی ممانعت ہے، ان سے بھی یہی بناء مراد ہے یہ حدیث ان کی بہترین شرح ہے۔ خلاصہ یہ کہ احادیث مذکورہ بالا سے قبہ کی حرمت تو کیا ثابت ہوتی (جس کا ذکر تک ان میں نہیں ہے) اس مسجد کی حرمت بھی ثابت نہیں ہوتی، جو قبر کے نزدیک عبادتِ الٰہی کے لئے بنائی گئی ہو۔ محدثین کرام نے بھی ان احادیث کا یہی مطلب سمجھا ہے۔

ملاحظہ ہو، امام عسقلانی فتح الباری میں، علامہ عینی عمدۃ القاری میں اور ملا علی قاری مرقات میں رقمطراز ہیں۔ (جس کا خلاصہ یہ ہے) چونکہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی قبروں کو بہ نیتِ تعظیم سجدہ کرتے تھے اور ان قبور کو قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تھے اور انھیں بت بنا کر پوجتے تھے، تو اللہ اور اس کے رسول نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: حدیث نمبر چار (۴) میں ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کے اوپر مسجد بناتے ہیں، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبر کی طرف بقصدِ تعظیم سجدہ کریں۔

مدارج النبوت میں فرماتے ہیں: قبروں کو مسجد بنانے سے قبروں کی طرف سجدہ کرنا مراد ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ خاص قبروں کو سجدہ کیا جائے اور ان کی عبادت مقصود ہو جیسے بت پرست کرتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ مقصود تو عبادتِ الٰہی ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ نماز و عبادت میں ان

قبور کی طرف مُنہ کرنا قرب و رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور انبیاء کی غایت تعظیم پر مشتمل ہے۔

یہ دونوں طریقے ناپسندیدہ و ناجائز ہیں۔ پہلا شرک جلی اور کفر خالص ہے، اور دوسرا شرکِ خفی پر مشتمل ہے، اور ان میں سے ہر تقدیر پر لعن متوجہ ہے۔ اور انبیاء و صالحین کی قبروں کی طرف تعظیم و تبرک کے ارادہ سے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور علماء میں سے اس میں کسی کو خلاف نہیں۔

خلاصہ کلام: ثابت ہوا کہ قبروں کو عبادۃً سجدہ کرنا شرک اور تعظیماً سجدہ کرنا حرام ہے

جوارِ قبر میں مسجد:

مذکورہ بالا احادیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی اور ان لوگوں پر لعنت آئی ہے جنھوں نے قبر کے گرد مسجد بنائی، اس میں تصاویر آویزاں کیں اور ان کی تعظیم و عبادت کی۔ ان احادیث میں قبروں کو سجدہ کرنے کی جو ممانعت ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ صالحین کی قبروں کے جوار میں ان سے خیر و برکت حاصل کرنے کے لئے مسجد نہیں بنانی چاہیے۔ بزرگوں کے آستانوں کے برابر مسجد بنانا اور برکت حاصل کرنے کے لئے وہاں نماز پڑھنا ثابت ہے۔

اکثر صحابہ کرام کے مزارات کے پاس مسجدیں ہیں، جو خود صحابہ یا صالحین نے بنوائیں۔ دنیا میں کعبہ سے بڑی کوئی مسجد نہیں ہے اور اس کے جوار میں حضرت سیدنا اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی قبریں ہیں۔ کعبہ کے بعد سب سے بڑی مسجد، مسجدِ نبوی شریف ہے اور اس کے جوار میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مطہرہ ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ امام قسطلانی فرماتے ہیں:

جو شخص کسی صالح (نیک بزرگ) کے مزار کے قریب (جوار میں) مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے، اس کی تعظیم اور نماز میں اس کی طرف توجہ کا ارادہ نہ کرے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: جو شخص کسی مرد صالح کے جوار میں مسجد بنائے یا مقبرہ میں نماز پڑھے اور اس کی روح سے مدد کا قصد کرے یا اس کے آثارِ عبادت سے فیض حاصل کرنے کا قصد کرے جبکہ نماز میں اس کی تعظیم اور اس کی طرف توجہ مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر کعبہ میں حطیم کے پاس ہے اور اس جگہ نماز پڑھنا سب سے افضل ہے۔

دیابنہ کے عظیم محدث انور شاہ کشمیری ''فیض الباری شرح بخاری'' میں اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ جو شخص کسی مرد صالح کے قرب میں مسجد بنائے بایں طور کہ اس کی قبر مسجد سے خارج ہو اور وہ اس کے قرب سے برکت کا ارادہ کرے نہ کہ اس کی تعظیم کا اور اس کی طرف توجہ کا، تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس میں نفع کی امید ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ''مدارج النبوۃ'' میں رقم طراز ہیں:

انبیاء وصالحین کی قبروں کی طرف تعظیم وتبرک کے ارادہ سے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور علماء میں سے اس میں کسی کو خلاف نہیں۔ لیکن اگر ان کی قبر کے نزدیک نماز کے لئے کوئی مسجد بنائیں بغیر اس کے کہ نماز میں ان قبروں کی طرف منہ کریں، اس لئے کہ وہ جگہ جو ان کے جسد مطہر کا مدفن ہے، اس کی برکت سے اور ان کی روحانیت ونورانیت کی امداد سے ہماری

عبادت کامل ومقبول ہو، اس میں کوئی حرج اور کچھ مضائقہ نہیں۔

حدیث نمبر پانچ (۵):

جس میں حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس رِوایت کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا کہ میں جو تصویر پاؤں اسے محو کردوں اور جو قبر بلند پاؤں اس کو برابر کردوں۔

اس حدیث میں تین امور قابلِ غور ہیں:

[۱] وہ قبریں کن کی تھیں؟ جنھیں برابر کرنے کا حکم فرمایا۔

[۲] کیا کسی مسلمان کی قبر کو بالکل زمین سے ہموار کردینا کہ نشان بھی باقی نہ رہے جائز وروا ہے؟

[۳] قبروں کے ساتھ تصاویر کا ذکر کیا مناسبت رکھتا ہے؟

بالاختصار عرضِ خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے!

(۱) وہ قبریں جنھیں برابر کرنے کا حکم دیا گیا وہ قبریں کفار ومشرکین اور یہود و نصاریٰ کی تھیں، مسلمانوں کی قبریں نہیں تھیں۔ اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبریں اونچی کیسے بن سکتی تھیں؟ جنھیں برابر کرنے کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حکم فرمایا۔ کیونکہ ان کا کفن دفن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی اور آپ کی اجازت سے ہوتا تھا۔

نیز یہ بات تو ہر مومن کے لئے یقینی ہے کہ زمانۂ اقدس میں مسلمانوں کی جو قبریں بنیں وہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم واجازت سے بنیں کیونکہ آپ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ دفن میں شرکت فرماتے اور اپنے نیاز مندوں کو اپنی شرکت سے محروم نہیں فرماتے تھے۔تو جس قدر قبور زمانۂ اقدس میں بنیں، صحابہ نے بنائیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بنائیں۔اور اگر بالفرض موجودگی نہ بھی ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کوئی کام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کئے اور پوچھے بغیر کب کرتے تھے۔تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو ناجائز طور پر اونچی بن گئی تھیں جن کے برابر کرنے اور مٹانے کا حکم فرمایا؟

لہذا اس صورتِ حال میں یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے کہ وہ مسلمانوں کی قبریں ہوں۔البتہ کفار کی قبریں بہت اونچی بنائی جاتی تھیں۔جیسا کہ اب بھی نصاریٰ کی قبریں دیکھی جاتی ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہی کے ڈھانے کا حکم فرمایا۔ کمافی الصحاح۔

بخاری شریف مسجدِ نبوی کی تعمیر کے باب میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی قبریں اکھیڑنے کا حکم دیا تو وہ اکھیڑ دی گئیں۔اسی کام کے لئے حضور مولائے کائنات مامور ہوئے تھے۔

اور کفار کی قبریں ڈھانا جائز بھی ہے جبکہ مسلمانوں کی قبریں ڈھانا توہین ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری شرح بخاری'' میں عنوان قائم کیا: کیا مشرکین جاہلیت کی قبریں اکھاڑنا جائز ہے؟

فرماتے ہیں: انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی قبور ڈھانے میں ان کی اہانت ہے جبکہ مشرکین کی قبور ڈھانے میں کوئی توہین واہانت نہیں کیونکہ ان کی کوئی حرمت نہیں۔

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قبریں محترم ہیں۔ان کو ڈھانا

اور ان میں تصرف کرنا ناجائز اور ان کی اہانت وتوہین ہے۔ لہذا قبریں اکھاڑنے اور برابر کرنے کا حکم مشرکین کی قبروں کے لئے تھا۔

(۲) کیا کسی مسلمان کی قبر کو بالکل زمین سے ہموار کر دینا کہ نشان بھی باقی نہ رہے جائز و روا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو سنت متوارثہ کے خلاف اور اس کے معارض ہے۔ کیونکہ مسلمان کی قبر زمین کے برابر نہیں کی جاتی بلکہ وہ ایک بالشت یا ایک ہاتھ اونچی رکھی جاتی ہے

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: میرے لئے بغلی قبر کھودنا اور مجھ پر کچی اینٹیں یونہی کھڑی کرنا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کی گئیں۔

مرآۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور میں نو(۹) کچی اینٹیں لگائی گئیں کیونکہ مدینہ منورہ کی اینٹ بہت بڑی ہوتی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور زمین سے ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت سفیان تمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کو دیکھا کہ وہ کوہان نما ہے۔ یعنی ڈھلوان جیسے اونٹ کا کوہان۔ (عہدِ صحابہ میں حجرہ شریفہ کھلتا تھا اور قبرِ انور کی زیارت عموماً ہوتی تھی)

(۳) قبروں کے ساتھ تصاویر کا ذکر.... مناسبت کیا ہے؟

اسے سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا احادیث میں سے حدیث نمبر تین (۳) دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ اس میں تصویریں ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا

ذکر کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کی یہ حالت تھی (یہ دستور تھا) کہ جب ان میں کوئی مردِ صالح انتقال فرماتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں بناتے، وہ اللہ کے نزدیک روزِ قیامت بدترین مخلوق ہیں۔

فتح الباری میں ہے: یہ وعید ان لوگوں کو شامل ہے جنھوں نے صالحین کی قبروں کو تعظیماً مسجد بنایا جیسا کہ اہل جاہلیت کا عمل تھا جس میں بڑھتے بڑھتے وہ ان کی عبادت ہی کرنے لگے۔

معلوم ہوا کہ وہ لوگ قبروں پر تصویریں بناتے اور پھر انھیں سجدہ گاہ بناتے۔ مسلمان کی قبر کو فوٹو و مجسمہ سے کیا نسبت؟ مسلمانوں کی قبروں پر نہ فوٹو ہوتے ہیں نہ مجسمہ۔ ہاں عیسائیوں کی قبریں بہت اونچی بھی ہوتی ہیں اور ان پر میت کا مجسمہ یا فوٹو بھی ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

(۱) احادیث کی روشنی میں مسلمان کی قبر کو نہ تو اکھیڑا جا سکتا ہے نہ ہی بالکل زمین کے ساتھ ہموار کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ ایک بالشت یا ایک ہاتھ اونچی رکھی جائے گی۔

(۲) قبروں کے ساتھ تصاویر کا ذکر اس لئے تھا کہ وہ لوگ (اہلِ جاہلیت، یہود و نصاریٰ) قبروں پر تصویریں بناتے اور انھیں سجدہ گاہ بناتے، قبروں پر تصویریں لٹکاتے اور ان کی پرستش و پوجا کرتے۔

(۳) وہ قبریں جنھیں برابر کرنے کا حکم فرمایا وہ مشرکین و کفار اور یہود و نصاریٰ کی قبریں تھیں۔

اظہر من الشمس ہو چکا کہ ان قبروں سے مراد مومنین کی قبریں نہیں ہو سکتیں بلکہ ان قبروں سے مراد مشرکین، یہود و نصاریٰ کی قبریں تھیں۔ قبروں کو ڈھانے کے ساتھ ساتھ

تصویروں کے مٹانے کا حکم اس پر زبردست قرینہ ہے کیونکہ تصویروں کا رواج مشرکین، یہود ونصاریٰ ہی کی قبروں پر تھا۔ ورنہ ہر ذی عقل وشعور اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جس قدر بھی مومنین کی قبریں تھیں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم واجازت سے ہی بنی تھیں۔ نیز ان میں سے کسی قبر پر تصویر بنانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر انھیں ڈھانے اور مٹانے کا حکم چہ معنی دارد؟

حدیث نمبر چار (۴) زوّارات القبور:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائی ایام میں (مردوں کو بھی) زیارتِ قبور سے منع فرما دیا تھا اور عورتوں کو صراحتاً زیارتِ قبور سے منع فرماتے ہوئے اس پر وعید بھی سنائی۔ لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔

قبروں کی کثرت کے ساتھ زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اور بعد میں اجازت عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ۔

میں تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا (اب میں تمہیں اجازت دیتا ہوں) کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے۔

جب مردوں کو اجازت ملی تو اس ضمن میں عورتوں کو بھی اجازت مل گئی۔ کیونکہ یہ رخصت مردوں اور عورتوں کو عام ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر وبیشتر شہداء اور مسلمانوں کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے۔ نیز حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہداءِ احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: تم پر سلام ہو جو تم نے صبر کیا اور آخرت ہی بہترین اور شاندار ہے۔

ابتداءِ اسلام میں خاص مصلحت کے تحت زیارتِ قبور سے منع کیا گیا تھا، کیونکہ اس وقت بتوں کی عبادت اور قبروں پر سجدہ کرنے کا رواج قریب تھا اور لوگ نئے نئے اس عہد سے نکلے تھے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اسلام مستحکم، راسخ اور قوی ہو گیا اور قبروں کی عبادت کرنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا خطرہ نہ رہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی ممانعت کو منسوخ کر دیا۔ اور زیارتِ قبور کی اجازت عطا فرما دی کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی، اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زائرات پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ زوّارات پر لعنت فرمائی ہے۔ جامع ترمذی کی روایت میں یہی لفظ زوّارات آیا ہے۔ اور زوّارات مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے جو بکثرت زیارتِ قبور کے لئے جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مطلقاً زیارت کے لئے جانا ممنوع نہیں، بکثرت جانا ممنوع ہے اور کبھی کبھی زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ممانعت ہے بلکہ ان عورتوں پر لعنت ہے جو ہمیشہ ہر وقت بے پرواہ ہو کر اور بے حیائی سے قبروں کی زیارت کرتی پھریں اور انھوں نے اسے اپنا مشغلہ بنا رکھا ہو، صبر کی کمی اور بے صبری کی زیادتی کی وجہ سے زیارتِ قبور کے وقت صبر نہ کر سکیں، جزع وفزع سے کام لیں اور بے صبری کا مظاہرہ کریں۔ جبکہ زیارتِ قبور کی اجازت تو صرف اس لئے دی گئی ہے کہ لوگ آخرت کو یاد کریں، دنیا سے دل نہ لگائیں، ماضی کی بداعمالیوں پر غور کر کے ان سے توبہ کریں اور آئندہ ان سے بچیں۔

نتیجۃً معلوم ہوا کہ عورتوں کا مطلقاً زیارتِ قبور پر جانا منع نہیں بلکہ بکثرت جانا ممنوع ہے کیونکہ بکثرت جانے سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد کا بھی اندیشہ ہے، عورتوں کے زیادہ آنے جانے سے لوگ بھی فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور عورتوں کی عزّت و ناموس کو بھی خطرہ ہوتا ہے، اس اعتبار سے زائرات اور زوّارات میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ لہذا کبھی کبھار زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت نہیں فرمائی اور نہ ہی انھیں اس سے ممانعت فرمائی۔

چنانچہ روایت ہے:

کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبرستان سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اسے فرمایا:

اِتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ۔ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔

وہ عورت غم کے صدمہ سے اتنی نڈھال اور بے خود تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان نہ سکی اور ایسا جواب دیا جس سے بیزاری اور بد خلقی ٹپکتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے تشریف لے گئے۔ بعد میں لوگوں نے اسے بتایا کہ تمہارے مخاطب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ یہ سن کر وہ عورت بہت گھبرائی اور ہراساں پریشاں دربارِ نبوی میں حاضر ہوئی اور معذرت طلب کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صبر وہی ہوتا ہے جو صدمہ کے آغاز میں کیا جائے، بعد میں تو قرار آہی جاتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں:

خواتین کا قبرستان جانا ممنوع نہیں وگرنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہلے اس عورت کو ناراض ہوتے اس کے بعد صبر وتقویٰ کی تلقین کرتے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم نے وعظ و نصیحت کے سوا کچھ نہ فرمایا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو بھی زیارتِ قبور کی اجازت دے دی تھی۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اس حدیث کے ذریعہ زیارتِ قبور پر استدلال کیا گیا ہے، زائر مرد ہو یا عورت۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔ میں نے پوچھا۔ امی جان! آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟ فرمایا: بھائی عبدالرحمان کی قبر سے ہو کر آ رہی ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع نہیں فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا: پہلے منع فرمایا تھا لیکن پھر اجازت دے دی تھی۔

الغرض یہ کہ: عورتوں کا کبھی کبھار زیارتِ قبور کے لئے جانا جائز ہے بشرطیکہ پردے کا پورا پورا اہتمام بھی ہو اور کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب بھی نہ کریں نیز وہ خواص عورتیں جو احکامِ شرعیہ سے واقف اور ان پر عامل ہوں اور جزع و فزع اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کرتی ہوں اور حد سے تجاوز بھی نہ کریں ان کے لئے زیارتِ قبور کی رخصت و اجازت ہے۔

حدیث نمبر چھ (۶)

اے اللہ! جس طرح کسی بت کی عبادت کی جاتی ہے، میری قبر کو ایسا نہ بنانا۔

حدیث کا اصل مطلب و مقصد اور صحیح مفہوم و مدعا سمجھنے کے لئے حقائق و واقعات اور ان کے پس منظر سے آگاہی حاصل کرنا لازم و ضروری ہے۔ بالاختصار پیشِ خدمت ہے۔

یہود گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے مزاج و کردار کے مالک تھے، آنِ واحد میں ہر قید و بند سے آزاد اور سرکش طاغوت کی صورت اختیار کر لیتے اور دوسرے ہی لمحے (کسی پہ مہربان

ہونے کی صورت میں) مدح وثناء اور تعریف وتوصیف کی انتہا کردیتے تا آنکہ مدح وثناء کی ساری حدیں ٹوٹ جاتیں اور انکی تعریف کے ڈانڈے توحید کی حدیں توڑ کر شرک وکفر پر جا ملتے

ان کے پہلے روپ کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے۔

.....وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط.....۔ (البقرہ ۲:۶۱)

کہ وہ انبیاء کرام کو ناحق قتل کرتے۔

اور دوسرے روپ کے بارے میں بتایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ.....۔ (التوبہ ۹:۳۰)

اور کہا یہود نے عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہود کے مزاج سے آگاہ کرنے کے بعد قرآنِ پاک نے نصاریٰ کے اعمال وکردار اور افکار ونظریات سے بھی آگاہ کیا ہے، کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت، اعجازی قوت، اور حیرت انگیز معجزات (کہ وہ قم کہہ کر مردے زندہ کردیتے، مٹی سے پرندے کی مورت بنا کر پھونک مارتے تو پرندے اڑا دیتے اور مادرزاد اندھے کو بینا اور برص والے کو تندرست کردیتے) کے پیشِ نظر انھیں خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ پھر انھوں نے تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ گھڑلیا۔ گمراہی کی اس دلدل میں پھنس جانے کے بعد تمام دینی احکام کو وہ اپنی مرضی سے بدلتے رہے۔ ان کے قرب وجوار میں آباد اقوام بھی ان کی اس ضلالت وگمراہی کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اس گمراہی کے سب سے زیادہ اثرات عربوں نے قبول کئے۔

تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص عمرو بن عامر خزاعی نے ان سے شرک کے یہ نئے اور انوکھے انداز سیکھے جو اسے بہت پسند آئے چنانچہ وطن پہنچ کر اس نے اہلِ عرب کو بت

پرستی سے روشناس کر دیا۔ پھر اس قوم کو اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ پتھروں کے آگے سر جھکانے کا ایسا چسکا پڑا کہ کعبۃ اللہ (اوّلین خانہ خدا) کو بھی تین سو ساٹھ بتوں سے بھر دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بت بنا کر خانہ کعبہ میں نصب کر دیئے اور ان کے ہاتھوں میں تیر تھما دیئے۔ حالانکہ ان مقدس ہستیوں کا اس بت گری، ازلام بازی اور تیر تکوں سے کوئی تعلق نہ تھا وہ تو ان خرافات کو مٹانے اور ان سے نجات دلانے کے لئے تشریف لائے تھے۔

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ، وَاللّٰهِ اِنِ اسْتَقْسَمَا بِالْاَزْلَامِ قَطُّ۔

خدا انھیں غارت کرے جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں تیر تھما دیئے حالانکہ ان دونوں حضرات نے کبھی ان تیروں سے فال نہیں نکالی تھی اور نہ ہی کبھی انہیں ہاتھ لگایا تھا۔

اساف و نائلہ دو بدکار مرد و عورت تھے جنھوں نے حرم شریف کا احترام بالائے طاق رکھ کر قبیح حرکت کی۔ ان پر اسی وقت قہر و غضب نازل ہوا اور وہ پتھر بن گئے مگر ان لوگوں نے انھیں بھی معبود بنا لیا۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آٹھ ہجری میں فاتحانہ شان و انداز سے مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہوئے تو حرمِ کعبہ میں سجائے گئے تمام بت گرا دیئے اور خانہ کعبہ کو ان اعتقادی آلائشوں سے پاک کر کے وہاں اپنے معبودِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوئے۔ اس یادگار تاریخی موقعہ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی۔

قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۞

(بنی اسرائیل ۱۷:۸۱)

فرمادو حق آگیا باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

الغرض مخلوق کو ابن خدا اور خدا بنا کر یہود و نصاریٰ نے شرک کی جو صورتیں گھڑ لیں وہ کچھ یوں تھیں:

(۱) انبیاء کرام کی قبروں پر مساجد تعمیر کر کے ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔

(۲) عبادت کے ارادے اور نیت سے انھیں سجدہ کرتے تھے۔ (جیسا کہ حدیث نمبر ۱ اور ۲ سے واضح ہے)

(۳) کلیساؤں اور گرجوں میں تماثیل و تصاویر بنا کر انھیں پوجتے تھے۔

جیسا کہ حدیث نمبر تین (۳) میں ہے کہ حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ اس میں تصویریں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کی یہ حالت تھی (یہ دستور تھا) کہ جب ان میں کوئی مردِ صالح انتقال فرماتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں بناتے، وہ اللہ کے نزدیک روزِ قیامت بدترین مخلوق ہیں۔ اسی پر بس نہیں، انھیں غیروں کے حضور سجدے لٹانے کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ اظہارِ خوشنودی یا کورنش بجالانے کے لئے بے تکلف سجدے میں گر پڑتے تھے۔

ہرقل کا مشہور واقعہ ہے، جب اس کے دربار میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے بین السطور ہدایت کا نور دیکھ لیا اور اپنے درباریوں کو دعوت دی کہ اس نور سے سینے روشن کرلیں مگر وہ ضد اور دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔ ہرقل سمجھ گیا کہ ایمان لا کر اقتدار اور جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اس لئے کہنے لگا کہ میں دین ومذہب کے ساتھ تمہاری محبت ووابستگی اور پختگی دیکھنا چاہتا تھا سو میں نے دیکھ لیا، ثابت ہو گیا کہ تم اپنے دین کے ساتھ بڑی جذباتی وابستگی رکھتے ہو اور اس پر شدت سے قائم ہو۔ تمہاری اس کیفیت سے طبیعت خوش ہوئی۔

فَسَجَدُوْا لَهُ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

یہ سن کر وہ سجدے میں گر گئے اور اس سے خوش ہو گئے۔

یہود و نصاریٰ کی شرکیہ حرکات اور مشرکانہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں لکھا ہے۔

احدهما كانوا يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لهم و قصدا لعبادة فى ذلك ، ثانيهما انهم كانوا يتحرون الصلاة فى مدافن الانبياء والتوجه الى قبورهم فى حالة الصلاة والعبادة لله تعالى۔

اوّل یہ کہ وہ لوگ تعظیم کیلئے قبورِ انبیا کو عبادت کے ارادہ سے سجدے کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے دوران نماز کی حالت میں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مدفن کی طرف قصداً منہ کرتے تھے۔ (جبکہ کسی مخلوق کو معبود اور خدا سمجھنا یا کسی مخلوق کی عبادت کرنا شرک ہے)

چونکہ شرک وایمان کا مسئلہ بہت نازک ہے اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ شرک اسی صورت میں ہوتا ہے جب قبر سامنے ہو اور ادھر منہ کر کے عبادت کی نیت سے نماز

پڑھی جائے یا سجدہ کیا جائے۔ اگر قبر کا نشان سامنے نہ ہو اور کسی مخلوق کی عبادت کی نیت بھی نہ ہو تو یہ شرک نہیں کیونکہ حرمِ کعبہ میں حطیم کے پاس حضرت سیدنا اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر مبارک موجود ہے جبکہ وہاں نماز پڑھنا ممنوع نہیں بلکہ ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

حضرت قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قوم کی گمراہی کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

لما کانت الیھود و النصاری یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانھم و یجعلونھا قبلہ یتوجھون فی الصلاۃ نحوھا و اتخذوھا اوثانا لعنھم۔

یہود و نصاریٰ کے شرک کی وجہ یہ تھی کہ وہ سجدہ ہی نہیں کرتے بلکہ سجدے کے ساتھ عبادت کی نیت بھی کرتے تھے اور منہ بھی قبر ہی کی طرف کر کے نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ اگر عبادت کی نیت کے بغیر سجدہ کرتے تو انھیں مشرک قرار نہ دیا جاتا، اس لئے کہ سابقہ شرائع (شریعتوں) میں سجدہ تعظیمی جائز تھا۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا۔ اگر یہ (سجدہ تعظیمی) شرک ہوتا تو قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی اجازت نہ ملتی کیونکہ کسی شریعت میں بھی شرک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ قبورِ انبیاء کی عبادت کرتے، ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور انھیں مسجد بناتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ، اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِد۔

خدا تعالیٰ ان یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے جنھوں نے قبورِ انبیاء کرام کو مسجدیں بنا ڈالا حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جبکہ

حبیبِ اعلیٰ سے ملنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، ایسے نازک وقت میں یہ فرمان ذیشان معنی خیز اور بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہود و نصاریٰ کی اس روش اور شرکیہ طرزِ عمل سے کس قدر ناخوش تھے۔اس لئے آخری وقت میں ان کی گمراہی کی حقیقت سے پردہ اٹھا کر اُمت کو خبردار کر دیا کہ وہ اس روش کے قریب بھی نہ جائے۔چونکہ یہی خطرناک صورت ہر قباحت کی جڑ تھی اس لئے یہود و نصاریٰ کی بدبختی، گمراہی اور شرک کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجۡعَلۡ قَبۡرِیۡ وَثَنًا یُّعۡبَدُ۔

بارِ الہا! یہود و نصاریٰ نے جس طرح انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ اور عبادت گاہ بنا لیا اور انھیں پوجنے لگ گئے، میری قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو۔میری اُمت اس قباحت، شرک اور ہولناک خرابی سے محفوظ رہے۔

چنانچہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی اور آج تک آپ کی قبر مبارک اس سے محفوظ ہے، کسی امتی کو خیال تک نہیں آتا کہ وہ روضہ انور کو سجدہ کرے جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کرتے تھے بلکہ اس امت کا یہ امتیاز اور اعجاز ہے کہ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں عشق و محبت کا ایک شاد و آباد جہان رکھتے ہوئے بھی گنبدِ خضریٰ کے حضور وہ بے قابو نہیں ہوتی بلکہ نہایت متانت، عاجزی اور ادب کے ساتھ حاضری دیتی اور تمام آداب وضوابط کو ملحوظ رکھتی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو آگاہ بھی فرما دیا تھا کہ:

مَا اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بَعۡدِیۡ۔

مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کروگے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤگے۔

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے:

الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلاد کم ھذہ ابدا ولکن ستکون له طاعة فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضی به۔

خبردار! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے شہروں میں پھر اس کی عبادت کی جائے گی، البتہ حقیر اعمال میں اس کی اطاعت ہوگی تو وہ اسی پر قناعت کر کے راضی ہو جائے گا۔

حدیث نمبر سات (۷)

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا۔

تم میری قبر کو عید مت بناؤ۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں اس میں نہی اور ممانعت ہے اس بات سے کہ جیسے عید کے لئے خاص دن معین ہے کہ اسی خاص معین دن میں ہوتی ہے، تم زیارت کو بھی کسی خاص دن کے ساتھ معین کر لو اور اس کے سواء زیارت کے لئے نہ آؤ۔ بلکہ دن کی تخصیص کئے بغیر جب بھی موقع میسر آئے زیارت کے لئے آؤ۔

حافظ زکی الدین المنذری رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں تو یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی کثرت کے ساتھ زیارت کرنے اور بار بار حاضری دینے پر ابھارا گیا ہے اور اس سلسلے میں سستی کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سستی کرو اور عید کی طرح کبھی کبھی زیارت کیلئے آؤ جیسے عید سال کے بعد آتی ہے،

اس حدیث کا یہ مطلب قطعی غلط اور سنگدلانہ تحریف ہے کہ میری زیارت کے لئے مت آؤ کیونکہ کتنی ہی احادیث مبارکہ موجود ہیں جن میں زیارت کی ترغیب، زیارت کا ثواب اور اس کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ چند احادیث پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُہٗ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

جو میرے پاس میری زیارت کو حاضر ہوا کہ سوائے زیارت اور کوئی کام اسے نہ لایا ہو، مجھ پر حق ہے کہ روزِ قیامت اس کی شفاعت کروں۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد ہدایت بنیاد سے بیّن ومبرہن ہوگیا کہ زیارت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص اسی قصد سے شد الرحال محبوب اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام کو پسند ومرغوب ہے یہاں تک کہ آنے والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ سوا ہماری زیارت کے دوسرا قصد نہ ہو۔

رئیس الحنفیہ محقق علی الاطلاق امام علام کمال الدین محمد بن الہمام اسی حدیث سے فرماتے ہیں، زائر کے لئے اَولیٰ یہ ہے کہ پہلے سفر میں صرف نیت زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکھے اور اس کے ساتھ قصد مسجد اقدس کو بھی شامل نہ کرے کہ نیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خالص رہے اور مدینہ طیبہ پہنچ کر بعد زیارت شریف کے نیت مسجد کرے، یا دوسرے سفر میں دونوں نیتیں جمع کرے کہ اس صورت میں تعظیم واجلال محبوب ذی الجلال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشتر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد والا سے کہ

سوا میری زیارت کے اور کوئی قصد نہ ہو، موافق تر۔

مَنْ حَجَّ فَزَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

جس نے حج کیا پھر میری قبر کریم کی زیارت کی بعد میرے وصال کے گویا وہ میرے جمال جان افروز کے دیدار سے مشرف ہوا میری حیات میں۔

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ وَ اَنَا حَیٌّ وَ مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَہٗ شَاھِدًا وَ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جو میری زیارت کرے، میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا

مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ مُحْتَسِبًا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وَ شَھِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

جو مدینہ طیبہ آکر بہ نیت ثواب میری زیارت کرے میں روزِ قیامت اس کا شفیع و گواہ ہوں۔

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

جس نے خانہ کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی بتحقیق اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

مَنْ لَمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

جو میرے مرقد مطہر کی زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ستم کیا۔

مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ لَہٗ سَعَۃٌ ثُمَّ لَمْ یَزُرْنِیْ فَلَیْسَ لَہٗ عُذْرٌ۔

میرا جو امتی قدرت رکھتا ہو پھر میری زیارت نہ کرے اس کے لئے کوئی حیلہ نہیں یعنی جب باوجود استطاعت میری آستانہ بوسی سے محروم رہا تو روزِ قیامت اس کا کوئی بہانہ نہ سنا جائے گا اور کوئی عذر و حیلہ کام نہ آئے گا۔

فائدہ:

زائر کے لئے وعدۂ صادقۂ شفاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ صحابہ نے روایت کیا۔ فاروقِ اعظم اور ان کے صاحبزادے عبداللہ اور ابنِ عم المصطفیٰ عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک اور بکیر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور ان کی احادیث بیس ائمہ حدیث نے اپنی کتب میں روایت کیں۔ دار قطنی، طبرانی، ابن خزیمہ، بیہقی، عقیلی، ابن ابی الدنیا، ابوبکر بزار، ابوالشیخ، محاملی، ابن عدی، ابن عساکر، ابونعیم، ابوداؤد طیالسی، ابن السکن، سلفی، ابوبکر مقری، یحییٰ حسینی، ابن جوزی، ذہبی، شاہ عبدالحق۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اور یہ بشارت جاں بخش کہ جس نے بعد وصال زیارت کی وہ مثل اس کے ہے جس نے عالمِ حیات میں زیارت کی۔ اسے چھ صحابہ نے روایت کیا: ابن عمر، ابن عباس، علی المرتضیٰ حاطب بن ابی بلتعہ، ابوہریرہ، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور ان کی اخبار چودہ ائمہ نے ذکر کیں۔ دار قطنی، عقیلی، طبرانی، بیہقی، ابویعلیٰ، ابن عدی، ابن عساکر، سعید بن منصور، یعقوبی، محاملی، ابن النجار، سید حسینی، ابن جوزی، ابوسعید۔

اہل زیارت کے لئے یہی مژدہ ان شاء اللہ دنیا وآخرت میں بس ہے۔ اور معترضین منکرین کو انہی دولتوں سے محرومی کافی۔

اگر اس حدیث "لَا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْدًا۔" کا مطلب یہ لیا جائے کہ زیارت کے لئے مت آؤ تو پھر مندرجہ بالا مستند احادیث کے ساتھ تعارض لازم آتا ہے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زیارت مت کرو اگر یہ مطلب ہوتا تو آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ انداز واسلوب اختیار فرمانے کے بجائے فرما دیتے،

''لَا تَزُوْرُوْا'' کہ مت زیارت کرو مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا'' فرمایا ہے اور قبر کو عید بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ لہذا روضہ اطہر کی زیارت کے وقت عید کے سے انداز اختیار کرنا ممنوع و حرام ہے۔ نفسِ زیارت کسی طور ممنوع نہیں۔ بعض لوگ اس حدیث کی آڑ لے کر روضہ اطہر کی حاضری سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ایسا کرنا سینہ زوری بھی ہے اور علم و دیانت کے ساتھ دغا بھی، نفاق و عداوت بھی ہے اور ابلیسی قوتوں کے ساتھ موافقت کی علامت بھی کیونکہ دربارِ نبوی کی حاضری سے روکنا منافقوں کا مشغلہ اور یہودی طریقہ ہے۔ شیوۂ اہلِ ایمان و اہلِ محبت اور طریقۂ اہلِ ادب و اہل وفا نہیں ہے

اس حدیث میں قبر کو عید بنانے کی ممانعت فرمائی ہے اس لئے منشاءِ نبوی اور حدیث کا صحیح مطلب و مفہوم معلوم کرنے کے لئے عید کا مفہوم متعین کرنا پڑے گا جس سے کہ ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اس زمانے میں عید کا جو تصور تھا (جو تقریباً آج بھی موجود ہے) اس پر احادیث سے کافی روشنی پڑتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عید کو کھیل کود، طرب و غنا اور دعوتِ عام کے معنی میں لیا جاتا تھا۔ (اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے روضہ اطہر کے پاس اسی قسم کی عید سے روکا ہے) ثبوت کے لئے چند احادیث پیشِ خدمت ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

(۱) ایک دفعہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانہ نبوی میں حاضر ہوئے اتفاقاً دو ننھی منی بچیاں جنگِ بعاث کے رجزیہ اشعار گا کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل بہلا رہی تھیں، اپنے دیہاتی ماحول اور سادہ سے رواج کے مطابق ڈھول کے قبیل کی ایک چیز دف پر بھی ہاتھ مارتی جاتی تھیں، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طرب و غنا کا یہ منظر دیکھا تو جلال میں آ گئے اور اپنی صاحبزادی کو ناراض ہوئے کہ تم نے کاشانہ نبوی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے اور طرب و

غنا کی یہ کیسی مجلس برپا کر رکھی ہے؟ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رخ انور حضرت صدیق اکبر کی طرف کیا اور فرمایا: اے صدیق!

اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدٌ وَاِنَّ عِیْدَنَا ھٰذَا الْیَوْمِ۔

ہر قوم کے لئے ایک عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔

گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عید کے دن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جائز حدود کے اندر رہ کر اظہارِ مسرت اور سادہ سے انداز کے طرب وغنا کو جائز قرار دیا جس میں کوئی شرعی قباحت نہیں تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ عید طرب وغنا کا دن ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے روضہ اطہر کے نزدیک اسی قسم کی عید یعنی طرب وغنا سے روکا ہے کہ وہاں گانے بجانے کا شغل اختیار نہ کیا جائے کیونکہ یہ زیرِ آسماں نازک ترین ادب گاہ ہے جہاں اونچی آواز نکالنا بھی منع ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(۲) عید کے روز ہی حبشی لوگ مسجد میں جنگی مشقوں کا مظاہرہ کر رہے تھے، انکی اُچھل کود، پینترا بدلنے، وار روکنے اور حملہ کرنے کے کرتب اور فنونِ حرب کی نمائش کو سبھی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ بَیْنَمَا الْحَبْشَۃُ یَلْعَبُوْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اس وقت کی بات ہے جب حبشی لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

وَکَانَ یَوْمُ عِیْدٍ یَلْعَبُ السُّوْدَانُ بِالدَّرْقِ وَالْحِرَابِ۔

عید کا روز تھا اور حبشی لوگ ڈھال اور نیزے کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

اتنے میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے آئے، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھیل کود کا یہ منظر دیکھا تو جلال میں آ گئے اور اھوی الی الحصا فحصبھم بھا، کنکر روڑے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انھیں کچھ نہ کہو۔

یہ واقعہ اور اس کے آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عید کے دوسرے مفہوم کو متعین کرتا ہے کہ عید جائز حدود کے اندر کھیل کود پر بھی مشتمل ہوتی ہے چنانچہ مذکورہ حدیث میں ''عید نہ بناؤ'' کا مطلب ہوگا کہ میرے روضے پر آکر کھیل کود، اُچھل پھاند کا مظاہرہ مت کرو بلکہ ادب واحترام کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھو۔

(۳) عید ہی کے مفہوم میں دعوتِ عام، مل کر کھانا پینا اور موج اڑانا بھی شامل ہے۔ عید کے خصوصی ایام (عید الفطر، عید الاضحیٰ، ایام تشریق) کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا تَصُوْمُوْا فِیْ هٰذِهِ الْاَیَّامِ فَاِنَّهَا اَیَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّبِعَالٍ۔

ان ایام میں روزے مت رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور دل لگی کے دن ہیں۔

روضہ پاک پر اس قسم کی عید منانے سے بھی منع فرما دیا۔ غرضیکہ عید کے جو مروج و مشہور مفہوم تھے، حدیثِ پاک میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی سے روکا ہے، نفسِ زیارت کی قطعاً ممانعت نہیں فرمائی ہے۔

بالفاظِ دیگر (دوسرے لفظوں میں) ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آدابِ زیارت سکھلائے ہیں کیونکہ اہلِ کتاب کی

عادت تھی کہ وہ نبیوں اور صالحین کی زیارت کے وقت لہو ولعب میں مستغرق رہتے تھے، تو
سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امّت کو انکے ساتھ مشابہت سے منع فرمایا کہ
زیارت کے وقت لہو ولعب کا مظاہرہ نہ کرو بلکہ زیارت کے لئے آؤ تو توبہ اور استغفار کرتے
ہوئے آیا کرو۔ نیز ڈھول باجے بجاتے، ناچتے گاتے، بھنگڑا ڈالتے اور لغویات کا ارتکاب
کرتے ہوئے مت آؤ جو قوموں میں عید کے دن روا رکھی جاتی ہیں بلکہ اس طرح آؤ جیسے
ایک باوقار سنجیدہ بردبار اور معزز انسان آتا ہے اور اخلاقی وشرعی آداب وضوابط ملحوظ رکھتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ اکابر امّت بعض لوگوں کو غلط انداز وروش اختیار کرنے پر روک دیا کرتے تھے

حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت حسن مجتبیٰ بن حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و
علیہم السلام) نے روضہ اطہر پر ایک شخص کو اسی حالت میں دیکھا تو آپ سخت برافروختہ
ہوئے، اسے ڈانٹا اور فرمایا: کیا میں تمھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہ
سناؤں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا ، وَلَا تَتَّخِذُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُ مَا
کُنْتُمْ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ۔

میری قبر کو عید مت بناؤ، اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں بناؤ اور جہاں کہیں بھی تم ہو
وہیں سے مجھ پر درود بھیجو، بیشک تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔

حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعلیہم السلام)
نے اس کی نامناسب غیر شرعی اور میلہ جیسی حالت بنانے پر گرفت کی اور تنبیہ فرمائی کہ اس
انداز سے یہاں آنا مناسب نہیں۔ یہاں آؤ تو ادب واحتیاط کے ساتھ آؤ، اگر آداب ملحوظ
نہیں رکھ سکتے تو اپنے گھر میں بیٹھو اور بارگاہِ نبوی میں درود وسلام پیش کرنے کا جو فریضہ ہے،

وہیں ادا کرو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی وہ ہے جن تک درود وسلام کا نذرانہ پہنچ جاتا ہے پڑھنے والا خواہ کہیں بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قطعاً یہ نظریہ نہیں تھا کہ زیارت کے لئے آنا ممنوع ہے کیونکہ زیارت کرنا تو سب کا معمول تھا، سب اہلِ بیت خود بھی حاضری دیتے تھے اور زیارت کے لئے آنے والوں کو بھی دیکھتے رہتے تھے، کوئی کسی کو منع نہیں کرتا تھا۔

شیخ الاسلام تقی الدین سبکی رقم طراز ہیں: سلف صالحین میں سے کسی کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ زیارتِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منع کریں گے جبکہ تمام قبروں کی زیارت پر ان کا اجماع ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ ممانعت اور ڈانٹ اس بے ڈھب اور ناشائستہ انداز کی وجہ سے تھی جو اس شخص نے اختیار کیا تھا اور جس سے عید کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ غیر معقول سماں جسے برپا کرنے سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (جو تمام مکاتبِ فکر کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور علمائے دیوبند کے دینی رہبر اور روحانی پیشوا ہیں) اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: لَا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْدًا، میری قبر کو میلہ مت بنانا۔

اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، خوشیاں کرنا، زینت و آرائش اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا، یہ سب منع ہے کیونکہ زیارتِ قبور، عبرت اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے ہے نہ کہ غفلت اور زینت کے لئے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ قافلوں کا روضہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زیارت قبور اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے۔

ثابت ہوا کہ عید سے مراد اجتماع یا قبر پر جمع ہونا نہیں ہے اِسی لئے مدینہ طیبہ کی طرف اکنافِ عالم سے مسلمان اُمڈتے ہوئے سیلاب کی طرح جاتے اور روضہ پاک کے پاس جمع ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ نیز روزانہ نمازِ پنجگانہ کے بعد جمع ہو کر نہایت ہی اخلاص ومحبت اور الفت وعقیدت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں باادب دست بستہ صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں حدیث کا ایک معنی اور مفہوم یہ بھی ہے کہ چونکہ عید دیر سے آتی ہے لہذا فرمایا میری قبر کو عید نہ بناؤ یعنی دیر سے نہ آیا کرو جیسے عید دیر سے آتی ہے بلکہ بفرمانِ خداوندی

"....وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ...." (النساء ۴:۶۴)

جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھو بارگاہِ نبوت میں حاضری دے کر بخشش ومغفرت طلب کرو۔

نتیجۃً معلوم ہوا کہ اس حدیث میں دیر سے آنے کی ممانعت ہے اور بار بار آنے اور زیارت کے لئے ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ امّت کی بھلائی کے بہت حریص اور چاہنے والے ہیں۔ لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی ہے کہ گنہگار امتی آئیں اور بار بار آئیں اور بخشے جائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر گنہگار کو بلا تاخیر بارگاہِ نبوت میں پہنچنا ضروری ہے کیونکہ قبولیتِ توبہ اور مغفرت و بخشش کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضری لازمی وضروری اور بنیادی شرط ہے۔ اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ حیاتِ دنیاوی ظاہری میں پہنچا جائے یا بعد میں۔ کیونکہ "لَوْ" حرفِ شرط سے حکم عام ہے کہ جب کوئی اپنے نفس پر ظلم کرے قبل از وصال ہو یا بعد از وصال تو اس کی بخشش کے واسطے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دربار کھلا ہے۔ اس لئے کہ بارگاہِ

رسالت میں حاضری آپ کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص نہیں۔ حضور نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں حاضری اور آپ کی ذات بابرکات سے توسل آپ کی حیات ظاہرہ (ظاہری زندگی) کے ساتھ مخصوص نہیں۔

زیر بحث آیت مقدسہ میں ارشاد فرمایا گیا:

"....وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ...." (النساء ۴:۶۴)

اور کلمہ اِذْ عام ہے اور یہ کلمہ اِذْ عموم وقت کے لئے ہے بمعنی جب کبھی (آپ کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں یا وصالِ شریف کے بعد)۔

لہذا اِذْ کے عموم سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حاضری صرف ظاہری زندگی میں ہی نہیں تھا بلکہ یہ حکمِ حاضری قیامت تک کے مجرموں اور گناہگاروں کے لئے ہے۔ قیامت تک کے مریضانِ گناہ کے لئے اعلانِ عام ہے کہ حاضر ہوں اور شفا پائیں، یہ شفاخانہ کبھی بند نہیں ہوتا دیابنہ کے مشہور مفسر قرآن مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

وصال شریف کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی (ظاہری حیات) میں میری زیارت کی۔

نیز فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو یہ ایسا ہی ہوگا گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔

چنانچہ اکثر مفسرین جن میں امام نسفی صاحبِ تفسیر مدارک، علامہ قرطبی، مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی وغیرہم شامل ہیں، اپنی اپنی تفاسیر میں رقمطراز ہیں کہ حضور مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور (فرطِ رنج وغم سے) مزار پرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی تھی۔ ''وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ''

میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کئے ہیں۔ اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت ورحمت! میری مغفرت کے لئے دعا فرمائیے۔

فَنُوْدِیَ مِنَ الْقَبْرِ اَنَّہٗ قَدْ غُفِرَ لَکَ۔

تو قبرانور سے آواز آئی: تجھے بخش دیا گیا۔

اجنبی دیہاتی کی حاضری:

دیابنہ وہابیہ کے معتمد علیہ مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر ابن کثیر میں رقم طراز ہیں:

حضرت عتبی فرماتے ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار پر انوار کے پاس بیٹھا تھا۔ایک اجنبی دیہاتی (اعرابی) حاضر ہوا اور اس نے عرض کی۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے:

{...وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۝} [النساء ۴:۶۴]

وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (اے میرے حبیب) اگر وہ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے تو یقینا اللہ تعالیٰ کو وہ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا پائیں گے۔

یا رسول اللہ! میں اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے لئے حضور کے قدموں میں حاضر ہوں میں حضور کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا شفیع پیش کرتا ہوں۔

پھر اس نے یہ شعر پڑھے۔

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ

فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

اے ان سب سے بہتر اور سراپا خیر و برکت رسول جو زمین میں مدفون ہیں اور جن

کی خوشبو سے ساری زمین، ٹیلے اور میدان مہک اُٹھے ہیں۔

نَفْسِیْ فِدَآءٌ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ

فِیْہِ الْعِفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

میری جان اس مزار پر انوار پر فدا ہو جائے جس میں حضور سکونت پذیر ہیں اس میں عفت و پاکدامنی ہے اور اس میں وہ شخصیت ہے جو جود و کرم کا پیکر ہے۔

یہ عرض کرنے کے بعد وہ اعرابی چلا گیا۔ (عتبی کہتے ہیں کہ) اچانک مجھے نیند آ گئی۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عتبی! دوڑو اور اس اعرابی کو جا کر یہ مژدہ سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے۔

مدینہ منورہ میں ہی حاضری ضروری ہے یا......؟

پروردگارِ عالم جل مجدہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری کا حکم دیا خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میرے جس امتی کے پاس دولت وسعت تھی پھر بھی اس نے میری زیارت نہ کی تو اس کا کوئی عذر مسموع اور قابل قبول نہیں ہوگا۔

فرمایا: جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور شہادت دوں گا۔

نیز فرمایا: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

ارشاد فرمایا: مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

اور فرمایا: مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

جس نے فریضۂ حج ادا کیا مگر میری زیارت کے لئے نہ آیا اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

نیز فرمایا: مَنْ لَّمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ستم ڈھایا۔

زیارت سے پہلو تہی، غفلت اور سستی کرنے والوں کو مختلف اسالیب میں یہ اِنذار و وعید، زیارت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور ہر پہلو پر روشنی ڈال کر بتا دیا کہ حیاتِ پاک میں، بعد میں، روضۂ اطہر پر اور نیت و ارادہ کے ساتھ ہر صورت میں آنا، حاضری دینا اہل دل اور اہلِ ایمان کیلئے ضروری ہے نیز حصولِ مغفرت و بخشش کے لئے یہ حاضری لازم و ضروری ہے۔ اور روضۂ اطہر کی زیارت بہر صورت سعادت و فلاح کا باعث، نجات و شہادت کی ضامن نیز بخشش و مغفرت کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

حضور سرکارِ دو عالم، رسول کریم رؤوف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ مبارک کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسلمان سر کے بل چل کر اس دربار گوہر بار، گنبدِ خضرٰی، روضۂ اطہر پر حاضری دیں پلکوں سے راہیں صاف کریں اور اسے بھی کم جانیں۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

خواجہ فخر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا:

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخرِ جبریل کو یوں کہتے ہوئے پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

اس دربار گوہر بار کی حاضری تو ایمان ویقین کی کسوٹی اور شرف وقبولیت کی علامت ہے۔ اسی بارگارہ سے مناسک وارکانِ حج کی فضیلت سے آگاہی نصیب ہوئی اور ان کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہوا۔ یہی نہیں بلکہ ایک درِ معبود پہ جھکنے کا قرینہ آیا۔ یہ نہ آتے تو انسانی پیشانیاں بدستور تراشیدہ بتوں کی چوکھٹوں پر جھکی رہتیں۔ انھوں نے آداب انسانیت اور مقامِ آدمیت سے آگاہ کیا اور وحدہٗ لاشریک رب کے حضور جھکنا سکھایا۔ اس لئے اِحسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے آستانِ عظمت کو بوسے دیئے جائیں اور ان کے در کی حاضری ہی سے اپنی نیازمندی، قدرشناسی اور عقیدت ومحبت کا ثبوت فراہم کیا جائے۔ جس کی وجہ سے ہی حج وعمرہ کی سعادتیں اور دیگر مقاماتِ متبرکہ کی برکتیں حاصل ہوجاتی ہیں۔

اس کے طفیل حج بھی خُدا نے کرا دیئے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ)

الغرض ''جَآءُوْكَ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ معافی گناہ اور حصولِ بخشش کیلئے حاضریٔ بارگاہِ رسالت ضروری ہے۔ لیکن ہر شخص کو وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں اور ان کی وسعت رحمت سے بعید ہے کہ صرف اہل مدینہ، اہل دولت وثروت جو وہاں پہنچیں' ان کی رحمت صرف ان

تک ہی محدود رہے۔

لہذا آیت مذکورہ میں ''جَآءُوْكَ'' سے مراد حاضری قلب بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر وسعت وطاقت نہ ہوتو مغفرت و بخشش کی سفارش وشفاعت کے لئے مدینہ پاک میں ہی حاضری ضروری نہیں۔ اسی لئے جَآءُوْا فِی الْمَدِیْنَةِ نہیں فرمایا گیا اور نہ ہی جَآءُوْا عِنْدَكَ فرمایا۔ بلکہ ارشاد الٰہی ہوا۔ جَآءُوْكَ جہاں بھی ہو قلب سے اس بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی گناہگار گردن جھکا کر متوجہ ہو گیا، حاضر ہو گیا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام ہر مومن مسلمان کے پاس ہیں۔ دل میں ہیں ہر دل ان کی جلوہ گاہِ ناز ہے۔

ہر آن یا رسول قرینہ بنا لیا
ہم نے تو اپنے دل کو مدینہ بنا لیا

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

{لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ...} (التوبہ ۹:۱۲۸)

ملا علی قاری شرح الشفاء میں رقمطراز ہیں:

فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِی الْبَیْتِ اَحَدٌ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ ۔اَیْ لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِیْ بُیُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ۔

اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھو اور یوں کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک

سب اہل اسلام کے گھروں میں حاضر و موجود ہے۔ مگر چونکہ ہم آقا سے غائب ہیں حکم دیا گیا کہ تم بھی حاضر ہو جاؤ۔ انھیں دلوں میں بسا لو اور دلوں کو مدینہ بنا لو۔

ان کو دل میں بسا لیا میں نے دل مدینہ بنا لیا میں نے

الغرض مومنین تو دربارِ رسالت میں حاضری کو سعادتِ دارین سمجھتے ہیں اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بار بار حاضری کی تمنا رکھتے ہیں اور حاضری کا شرف پا کر سعادتِ دارین حاصل کرتے، دونوں جہان کی نعمتوں و برکتوں سے مالا مال ہوتے اور مغفرت و بخشش کی سند پاتے ہیں۔ جبکہ منافقین کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ قرآن مجید نے منافقین کے طرزِ عمل کو بے نقاب کیا اور دربارِ نبوی کی حاضری سے رکنا اور روکنا منافقین کی مخصوص علامت قرار دی اور بتلایا کہ منافقین حضور سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں آنے سے کتراتے، منہ موڑتے، اعراض کرتے اور آپ سے استغفار کرانے سے بدکتے تھے۔

ارشاد فرمایا:

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۞ [النساء ۴:۶۱]

اور جب انھیں کہا جائے کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اُتاری ہے، اللہ نے اور (آؤ) رسول (پاک) کی طرف تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے۔

سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ

اٰبَآءَنَا ط...} [المائدۃ ۵:۱۰۴]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو جواب دیتے ہیں جس عقیدے پر اپنے آباء کو کاربند پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے۔

سورہ منافقون میں ارشاد فرمایا:

{وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ لَـوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَرَاَيۡتَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۞} [المنافقون ۶۳:۵]

اور جب انہیں کہا جاتا ہے دربارِ نبوی میں آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے لئے استغفار کریں گے۔ وہ یہ سن کر سر موڑ کر چل دیتے ہیں۔ تم دیکھو گے ان کے اس اعراض میں غرور و تکبر کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ (کہ وہ تکبر کرتے ہوئے حاضری سے رک رہے ہیں)

مندرجہ بالا آیات میں منافقین کی ایک مخصوص علامت بتلائی جارہی ہے۔ کہ جب انھیں کہا جاتا ہے چلو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور وہاں جاکر معافی مانگو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھاری عاقبت سنور جائے گی۔ تو جواب میں وہ ازلی بدبخت منافق بڑے غرور اور گھمنڈ سے سروں کو نفی میں ہلاتے اور کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا ہم اپنے گناہوں کی مغفرت و بخشش کے لئے ان کے پاس تو کسی قیمت پر نہیں جائیں گے۔

علامہ قرطبی نے ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کو جب اس کے قبیلہ والوں نے سمجھایا کہ اب بھی حاضر خدمتِ بارگاہِ رسالت ہو کر معافی مانگ لو۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیری بخشش کے لئے دعا فرمائیں

گے تیری شقاوت (بدبختی)، سعادت (خوش بختی) سے بدل جائے گی۔ تو اُس نے ازراہِ کبرونخوت نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا۔ تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا۔ تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے زکوٰۃ بھی ادا کردی۔ اب ایک ہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں، میں یہ نہیں کروں گا۔

اس روایت میں آپ غور کریں تو بات خوب کھل جائے گی اور معلوم ہوگا کہ منافق کا ذہن کس طرح غلط روش پر چلتا ہے اور اس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہِ نبوت میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب سے اپنی مغفرت کی دعا کرانے میں اس (منافق) کو صریح شرک نظر آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اعمال، نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے درِ کرم پر حاضر ہو کر اس کی رحمتوں سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔

اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنھیں بارگاہِ رسالت میں حاضری شرک اور بدعت معلوم ہوتی ہے۔ خود بھی اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور لوگوں کو بھی محروم رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ اور اس کو اپنے موحد ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔

وہ ذرا مندرجہ بالا آیات اور اس روایت میں تو غور کریں کہ کہیں اُن کا رویہ منافقین کے رویہ سے مشابہت تو نہیں رکھتا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حجابوں سے بچائے۔ آمین ثم آمین) الٰہی! ہمیں ان بدبختوں میں سے نہ کر جو تیرے پیارے رسول کی بارگاہ میں طلبِ استغفار کے لئے حاضر نہیں ہوتے بلکہ اس کو کفر وشرک کہنے پر مصر ہیں۔

اِلٰہ العالمین! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں

جو تیرے حبیب کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لئے باعثِ ہزار سعادت یقین کرتے ہیں۔
آمین ثم آمین

مندرجہ بالا آیات و روایات کی روشنی میں مومن اور منافق کے طرزِ عمل کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے کہ مومن اس دربار میں آنا اور استغفار کرانا عار نہیں سمجھتا بلکہ ادب و احترام اور حسنِ اعتقاد کے تمام تر جذبوں کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کی مغفرت سے حصہ پاتا ہے۔ اس کے برعکس دبارِ نبوی کی حاضری سے رُکنا اور روکنا منافقین کا مشغلہ ہے اور منافق کو اس حاضری سے سبکی و ذلت اور بدعت محسوس ہوتی ہے۔ وہ پیکرِ غرور و تکبر یہاں آنا کسرِ شان اور اپنی حیثیت کے منافی سمجھتا ہے۔ چنانچہ نتیجۃً وہ اس دولت سے بھی محروم رہتا ہے جو یہاں آنے والوں کے حصہ میں آتی ہے۔ غالباً محروم ازلی ہونے کے باعث ہی یہاں آنا گوارا نہیں کرتا۔ دربارِ نبوی کی حاضری کو پسند نہ کرنے والی منافقت کے ڈانڈے شیطنت سے بھی مل جاتے ہیں۔

شیطان کا نمائندہ یا خود شیطان

دربارِ نبوی میں حاضری سے رکنے، گھبرانے، بھاگنے اور روکنے والا یا تو شیطان کا نمائندہ ہوتا ہے یا پھر خود شیطان۔

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریم صراطِ مستقیم ہے۔ جو آپ تک پہنچ گیا وہ صراط مستقیم پا گیا۔

ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا: ع

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور شیطان صراطِ مستقیم ہی سے روکتا ہے۔اس نے روزِ ازل کہا تھا:

{...لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۞} [الاعراف ۷:۱۶]

میں انہیں صراطِ مستقیم سے روکنے کے لئے راہ مل کر بیٹھ جاؤں گا۔

گویا جو دربارِ نبوی میں حاضر ہونے سے روکتا ہے وہ شیطان کا مقصد پورا کرتا ہے اور وہ شیطان کا نمائندہ ہوتا ہے یا پھر خود شیطان ہوتا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے۔(حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کے فطرہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔تو ایک شخص آیا غلے سے لپ بھرنے لگا۔میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلوں گا۔وہ بولا (مجھے چھوڑ دو) میں محتاج ہوں میرے بال بچے ہیں اور مجھے سخت حاجت ہے۔فرماتے ہیں میں نے اُسے چھوڑ دیا۔جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! آج رات تمہارے قیدی کا کیا بنا۔میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور بال بچوں کا عذر کیا اس پر میں نے رحم کیا تو اس کو رہا کر دیا۔فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا۔وہ پھر لوٹے گا۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ وہ لوٹ کر آئے گا۔میں اس کی تاک میں رہا۔وہ پھر آیا اور غلے کے لپ بھرنے لگا۔میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا اب تو تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا۔وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں محتاج ہوں اور مجھ پر بال بچوں کا بہت بوجھ ہے میں اب نہ آؤں گا۔مجھے

رحم آ گیا اُسے رہا کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہارے قیدی کا کیا بنا۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اس نے سخت محتاجی اور بال بچوں کا عذر کیا۔ مجھے اس پر رحم آ گیا۔ اُسے رہا کر دیا۔ فرمایا آگاہ رہو وہ تم سے جھوٹ بول گیا ہے اور وہ پھر آئے گا۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے سے کہ ''وہ پھر آئے گا'' یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ میں گھات میں رہا۔ وہ آیا اور غلے سے لپیں بھرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا۔ تو کہا کہ اب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا۔ یہ آخری، تیسری بار ہے کہ تو کہہ جاتا ہے کہ پھر نہیں آئے گا اور پھر آ جاتا ہے۔

وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں آپ کو چند ایسے کلمات سکھائے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی برکت سے آپ کو نفع دے گا۔ جب آپ بستر میں جائیں تو آیت الکرسی، اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ آخر آیت تک پڑھ لیں تو آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حافظ رہے گا۔ اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہ پھٹکے گا۔ میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا۔ کیا بنا تمہارے قیدی کا۔ میں نے عرض کیا: اس نے کہا کہ وہ مجھے ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ مجھے نفع دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ہے تو جھوٹا مگر تم سے سچ بول گیا۔ کیا جانتے ہو کہ تم تین دن سے کس سے گفتگو کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: یہ شیطان ہے۔

نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ شیطان حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری سے گھبراتا ہے۔ ورنہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جانے پر راضی ہو جاتا۔ لہٰذا جو شخص صورتِ انسانی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری سے

گھبراتا یا دوسروں کو روکتا نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شیطان کا نمائندہ یا خود شیطان ہے۔ چنانچہ شیطان یا شیطان کے نمائندے بارگاہِ نبوت کی حاضری سے روکنے کے لئے ایک اور حدیث کا سہارا بھی لیتے ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا بھی مختصراً بیان کردیا جائے تاکہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوجائے۔

ارشادِ نبوی ہے: لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِد۔

کجاوے نہ کسے جائیں مگر ان تین مساجد کی طرف، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ

اس حدیث کی آڑ لے کر ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ لہذا روضہ مطہرہ کی طرف سفر جائز نہ ہوا۔ حالانکہ اس حدیث میں مزارات و متبرک مقامات بالخصوص روضہ مطہرہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس حدیث میں بڑے حسین ودلنشین اور خوبصورت ومؤثر پیرائے میں تین مساجد کی عظمت وفضیلت کا ذکر کیا گیا ہے کسی اور جگہ یا متبرک مقام کی طرف سفر کرنے کی ممانعت کا اس میں کوئی ذکر تک نہیں ہے۔ کسی تفصیل میں جائے بغیر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور حدیث پاک کے ذریعہ اس حقیقت کو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَاتَرْکَبِ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللہ۔

حج، عمرہ اور جہاد کے سوا سمندر کا سفر اختیار نہ کرو۔

اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا کہ حاجی، مجاہد اور عمرہ کرنے والے کے سوا کسی شخص کے لئے سمندر کا سفر جائز ومباح نہیں اور جو شخص کاروبار وتجارت، سیر وسیاحت، خرید و فروخت، زیارت وعیادت، حصولِ تعلیم وتلاشِ معاش، غرض کسی بھی مقصد کے لئے سمندر کا

سفر کرے گا، وہ گنہگار ہوگا، یہ مطلب دیانت وامانت، اور علم وفکر کے سراسر خلاف ہے۔

لامحالہ پھر کہنا پڑے گا کہ اس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حج وعمرہ اور جہاد کے فضل وشرف کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی نے سمندر جیسا پُر صعوبت سفر کرنا ہو تو ان عظیم وجلیل کاموں کے لئے کرے کیونکہ اسلام میں یہ اُمور بہت اہمیت رکھتے اور بے حساب اجر وثواب کے حامل ہیں۔ بعینہٖ مذکورہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے، اس لئے کہ دنیا بھر کی مساجد کے مقابلہ میں صرف ان تین مساجد ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں ایک نماز کا اجر وثواب ہزارہا گنا زیادہ ملتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صلاۃ الرجل فی بیتہ و صلاتہ فی مسجد القبائل بخمس و عشرین صلاۃ و صلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمس مائۃ و صلاتہ فی المسجد الاقصی بخمس و عشرین الف صلاۃ و صلاتہ فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ و صلاتہ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلاۃ۔

گھر میں ایک نماز کا ایک ہی ثواب ملتا ہے، محلہ کی مسجد میں پچیس گنا اور جامع مسجد میں پانسو گنا ملتا ہے، مسجد اقصیٰ میں پچیس ہزار، میری اس مسجد نبوی میں پچاس ہزار اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

بایں وجہ حق تو یہ ہے کہ انھیں مساجد کا سفر کیا جائے تاکہ سفر کی صعوبتیں جھیلنے اور مشقتیں سہنے کا اچھا اجر مل جائے، اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ کسی اور طرف سفر کرنا ہی ناجائز ہے جیسے سمندر والی حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ کسی اور کام کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔

محدثین کرام نے اس حدیث پر مختلف اعتبار سے بحث کی ہے:

(۱) مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی بحث:

یہ حدیث اسلوبِ استثناء کے ساتھ آئی ہے جو کہ اہلِ زبان (نحویوں) کے نزدیک معروف و مشہور اسلوب ہے جو مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا تقاضا کرتا ہے۔ مستثنیٰ وہ ہوتا ہے جو "اِلَّا" کے بعد آئے اور مستثنیٰ منہ وہ ہوتا ہے جو "اِلَّا" کے ماقبل (پہلے) ہو۔

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی تعریف:

استثناء کا معنی الگ کرنا اور خارج کرنا ہوتا ہے۔ مستثنیٰ وہ ہوتا ہے جسے حرف استثناء (اِلَّا وغیرہ) کے ساتھ ماقبل کے حکم سے الگ اور خارج کر دیا جائے اور جس سے الگ اور خارج کریں اُسے مستثنیٰ منہ کہتے ہیں۔ مستثنیٰ منہ کبھی مذکور ہوتا ہے اور کبھی محذوف۔

جب ہم اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مستثنیٰ جو "اِلا" کے بعد ہے وہ تو ظاہر ہے، اسکی تصریح موجود ہے اور وہ ہے (ثلاثۃ مساجد) مگر اِلا سے پہلے مستثنیٰ منہ مذکور نہیں، بلکہ محذوف ہے، لہذا اسے مقدر ماننا پڑے گا اور یہاں تقدیرِ کلام کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں

(۱) پس اگر ہم فرض کریں کہ یہاں مستثنیٰ منہ (قبر) ہے تو عبارت یوں ہوگی:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی قَبْرٍ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِد۔

کسی قبر کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف۔

اور یہ کلام بلاغتِ نبویہ کے لائق نہیں اور عدمِ انتظام میں ظاہر ہے۔ نیز مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس میں داخل نہیں ہے جبکہ اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو۔

(۲) اگر لفظ عام (مکان) کو مقدر تسلیم کریں تو تقدیرِ عبارت یوں ہوگی:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَکَانٍ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِد۔

کسی جگہ کی طرف سفر کرنے کیلئے کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف۔

اور اب معنی یہ بن جائے گا کہ تجارت، علم اور کسی بھی بھلائی کے لئے سفر نا جائز و ممنوع اور حرام قرار پائے۔ اس کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے۔ جب تجارت اور دنیوی منافع حاصل کرنے کے لئے سفر جائز ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مطہرہ کی طرف سفر تو بدرجہ اَولیٰ جائز ہوگا کیونکہ یہ اُخروی منافع کے حصول کا عظیم وسیلہ و ذریعہ ہے۔

پھر اس پر عالمِ اسلام کے مسلمانوں کا عملی اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کے بعد سے لے کر آج تک وہ حج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرتے ہیں۔ اجماع قولی بھی ہے۔

چنانچہ امام قاضی عیاض فرماتے ہیں:

زِيَارَةُ قَبْرِهٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سُنَّةٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا۔

(۳) حدیث میں تقدیرِ مستثنیٰ منہ لفظ ''مسجد'' ہو تو تقدیر کلام یوں ہوگی،

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰى مَسْجِدٍ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ۔

سوائے تین مسجدوں کے کسی مسجد کی طرف سفر کے لئے کجاوے نہ کسے جائیں

یہ اسلوبِ کلام منتظم بھی ہے اور فصاحتِ لغت کے مطابق بھی۔ چنانچہ اکثر اجلہ ائمہ محدثین نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، امام کرمانی، خطابی، نووی اور امام عینی نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ نیز بحمدہٖ تعالیٰ ہمیں احادیث نبویہ میں وہ روایاتِ معتبرہ بھی مل گئی ہیں جن میں مستثنیٰ منہ کی تصریح (وضاحت) موجود ہے یعنی وہاں مستثنیٰ منہ لفظوں میں موجود ہے اور وہ یہی لفظ ''مسجد'' ہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۱) امام احمد بن حنبل نے شہر بن حوشب کے طریق سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں

کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا جبکہ ان کے سامنے طور میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُصَلِّیْ اَنْ یَّشُدَّ رِحَالَهٗ اِلٰی مَسْجِدٍ یَبْتَغِیْ فِیْهِ الصَّلَاۃَ غَیْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا۔

کسی نمازی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے ارادے سے کجاوے کسے سوائے تین مسجدوں کے، یعنی مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

(۲) امام الہیثم نے ''مجمع الزوائد'' میں اور امام بزار نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَنَا خَاتِمُ الْاَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ خَاتِمُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِیَاءِ، اَحَقُّ الْمَسَاجِدِ اَنْ یُزَارَ وَتُشَدَّ اِلَیْهِ الرَّوَاحِلُ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَمَسْجِدِیْ۔

میں آخری نبی ہوں، میری مسجد انبیاء کی مساجد کی خاتم ہے اور وہ مساجد کہ اس بات کی مستحق (حق دار ہیں) کہ ان کی زیارت کی جائے اور ان کی طرف سفر کیا جائے، وہ مسجد حرام اور میری مسجد ہے۔

(۳) حضرت امام احمد بن حنبل نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

اِنَّ خَیْرَ مَارُکِبَتْ اِلَیْهِ الرَّوَاحِلُ مَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْبَیْتُ الْعَتِیْقُ۔

جن کی طرف کجاوے کسے جائیں (سفر کیا جائے) ان میں سے بہتر میری یہ مسجد ہے اور بیتِ عتیق (مسجد حرام، بیت اللہ) ہے۔

اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ ان جگہوں کے سوا کجاوے کسنا (سفر کرنا) جائز ہے۔ پھر اس پر اجماع قولی و عملی بھی موجود ہے جس کا تذکرہ گذشتہ صفحہ ۸۳ پر کیا جا چکا ہے۔

(۲) عبارت النص اور دلالت النص کی بحث۔

یہ حدیث (شدّ رحال) تین مساجد، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سفر کے جواز پر عبارت النص ہے اور روضہ مطہرہ کی طرف سفر کے جواز پر دلالت النص ہے کیونکہ جو علّت تین مساجد کے لئے دیگر مساجد اور مقامات سے مستثنیٰ ہونے کی قرار پائی ہے، وہ ان مساجد کی فضیلت ہی تو ہے یعنی تین مساجد کی طرف سفر اس لئے ہے کہ یہ دیگر مساجد و مقامات سے افضل ہیں اور روضہ مطہرہ میں یہی علّتِ فضیلت بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے کہ وہ حصّہ زمین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کو مس کئے ہوئے مطلقاً ہر چیز سے افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ وعرش وکرسی سے بھی افضل ہے اور جب فضیلت مقیدہ اور خاصہ کی وجہ سے تین مسجدیں عمومِ نہی سے مستثنیٰ ہو گئیں تو روضہ مطہرہ کا فضیلتِ مطلقہ وعامہ کے سبب اس سے مستثنیٰ ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔

لہذا اس حدیث میں زیارت سے ممانعت کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو زیارت کے بارے میں حجت ودلیل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الخلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر، روضہ انور ساری روئے زمین سے افضل جگہ ہے لہذا اس کی طرف سفر تو بدرجہ اولیٰ محبوب ٹھہرے گا۔

(۳) نسخ حدیث کی بحث:

یہ حدیث منسوخ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ''شرح نخبۃ الفکر'' میں فرماتے ہیں کہ

يُعْرَفُ النَّسْخُ بِأُمُوْرٍ اَصْرَحُهَا مَا وَرَدَ فِي النَّصِّ لِحَدِيْثِ بُرَيْدَةَ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِم۔

حدیث ''شدِ رحال'' کو کئی امور سے منسوخ کیا گیا ہے جو نص میں وارد ہے،

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو صحیح مسلم میں موجود ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا۔

کہ میں نے پہلے تمھیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

دوسری حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس سے حدیث "شدِ رحال"، منسوخ ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاء كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتے کو کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر مسجدِ قباء تشریف لے جایا کرتے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زندگی بھر یہی معمول رہا۔

حافظ ابن حجر نے ان دونوں حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ حدیث "شدِ رحال" منسوخ ہے۔ جب یہ حدیث منسوخ ہے تو اس کی آڑ لے کر زیارتِ روضہ مطہرہ سے منع کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ روضہ مطہرہ کے ساتھ تو حدیث "شدِ رحال" کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، اگر دیگر مساجد کی طرف سفر کرنا ممنوع ہوا بھی ہو تو وہ حدیث ابن عمر سے منسوخ ہو گیا کیونکہ حدیث ابن عمر سے (جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے) دیگر مساجد کی طرف سفر کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتہ مسجد قباء کی طرف سفر فرمایا کرتے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو باقاعدہ باوضوء ہو کر مسجدوں میں جانے کا حکم دیا اور اس کا ثواب بیان فرما کر اس فعلِ خیر پر اُبھارا۔

مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهٖ فَاَحْسَنَ الطُّهُوْرَ وَ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يَنْهَزُهٗ اِلَّا

الصَلَاۃُ کَانَتْ خُطْوَتَاہُ اِحْدَاھُمَا تَرْفَعُ دَرَجَۃً وَالْاُخْرٰی تَضَعُ خَطِیْئَۃً۔

جو شخص باوضوء پاک صاف ہو کر فریضہ خداوندی ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف جاتا ہے، تو وہ جو قدم بھی اٹھائے گا اُس کے دو قدموں میں سے ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور دوسرے پر ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ فِیْ ظُلَمِ اللَّیْلِ اِلَی الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

رات کی تاریکی (اندھیری رات) میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے دن نور تام (مکمل روشنی) کی بشارت و خوشخبری دے دو۔

اسی طرح اس حدیث "شدِّ رِحال" کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ کسی مزار یا قبرستان کی طرف جانا ممنوع ہے کیونکہ خود حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

قبریں ہیں بھی کہ نہیں؟ اس کا جواب:

ابن تیمیہ نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ بزرگوں کی جو قبریں (مزارات) مشہور ہیں، کیا خبر وہاں قبریں ہیں بھی کہ نہیں؟ (دیکھئے ص ۲۲۴) بالاختصار اس کا جواب ملاحظہ فرمایئے:

کسی قبر کا کسی زمانہ یا کسی جگہ واقع ہونا، یہ مسائل دینیہ اور احکامِ شرعیہ میں سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کیلئے حدیث صحیح الاسناد ضروری ہو اور اگر ایسی حدیث نہ ملے تو وہ قبر ہی ثابت نہ ہو مسلمانوں کا نسلاً بعد نسلٍ ایک چیز کی نسبت خبر دینا مسلمان کے وثوق و اطمینان کیلئے کافی ہے۔ صدہا ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جہاں محض نقل و شہرت پر اعتماد فرما کر احکامِ شرعیہ جاری ہوتے ہیں۔

البتہ جہاں نقل و مخالف موجود ہو وہاں غور کی حاجت ہوتی ہے۔ تاہم جبتک قبر ہونے کا بطلان یقینی نہ ہو جائے، محض ادّعا ہی ہوتا ہے جسکی کوئی سند نہیں اور جس پر کسی حکم و فیصلہ کا اطلاق نہیں ہوتا

نتیجہ: جب صدیوں سے مسلمانوں کے ہاں (نسلاً بعد نسل) بزرگوں کے

مزارات کی شہرت اور اس پر تواتر چلا آرہا ہے تو یہ اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ وہاں ان کی قبریں موجود ہیں۔

مزارات پر چراغاں کرنا:

جن احادیث مبارکہ میں قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بے فائدہ ہو اور کسی غرض محمود کے لئے نہ ہو کیونکہ یہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔ اگر اظہارِ عظمت کا خیال نہ ہو تو چراغاں کرنا یقیناً بیکار اور اسراف ہے، ہاں البتہ صاحبِ مزار کی عزت و عظمت کے اظہار کے لئے چراغاں کرنا، یا اگر کسی فائدہ کے لئے ہو تو یقینا جائز ہے اور اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں جیسا کہ علامہ عبد الغنی نابلسی نے اپنی گراں قدر تصنیف ''کشف النور عن اصحاب القبور ''میں فرمایا ہے کہ قندیلیں اور موم بتیاں جلانا اولیاء کی قبروں کے پاس تعظیم و محبت کے لئے جائز ہے اس کو منع نہیں کرنا چاہیے۔

اسی طرح تفسیر روح البیان میں مذکور ہے کہ اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیلیں اور موم بتیاں روشن کرنا جائز ہے کیوکہ اس کا مقصد صحیح ہے۔ یونہی اگر کسی فائدہ سے ہو تو بھی جائز ہے مثلاً مزار کے قریب مسجد ہو اور نمازیوں کو آرام ملے، مقابر سر راہ ہوں کہ راستہ چلنے والوں کو بھی فائدہ پہنچے اور قبر والوں کو بھی کیونکہ مسلمان، مقابر مسلمین کو دیکھ کر سلام کریں گے اور فاتحہ پڑھیں گے اور دعاءِ خیر کریں گے۔

قبرستان میں لوگ رات کے وقت بغرض فاتحہ و مراقبہ آتے ہیں اور قرآن شریف وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے تا کہ عوام باادب وہاں جائیں اور فاتحہ پڑھیں۔ اس مقصد کے لئے بھی وہاں چراغاں کرنا درست ہے۔

خلاصہ یہ کہ ارواح اولیاء اللہ کی تعظیم اور مسلمانوں کے فائدہ کے لئے قبر کے قریب چراغ روشن کرنا درست ہے، ہاں عین قبر کے اوپر منع ہے۔

حدیث بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ پر بحث:

شیخ ابن تیمیہ نے اسے درج کتاب کیا ہے (دیکھئے ص ۲۱۸) جبکہ یہ حدیث منقطع ہے۔ یعنی اس کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل نہیں۔ حالانکہ غیر منقطع اور متصل روایت مشکوۃ شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یوں مذکور ہے جسے صاحب مشکوۃ نے مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد کی طرف نسبت کی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ و آلہ سلم قَالَ: لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ۔ (رواہ احمد، ابو داؤد، مشکوۃ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں، بلکہ یوں کہو جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں۔

یہاں تو حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آداب تعلیم فرما رہے ہیں کہ (وَ مَاشَاءَ فُلَانٌ) واو جمع کے ساتھ نہ کہو بلکہ (ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ) کہو، تاکہ معلوم ہو کہ مشیتِ الٰہی مقدم ہے اور مشیتِ عبد تابع ہے۔

علامہ محمد طاہر نے ''مجمع البحار'' میں فرمایا: هذا لان الواو تفيد الجمع و ثم تجمع و ترتب فيكون مشية الله مقدمة على مشيته۔

اور خود شیخ ابن تیمیہ نے اسی صفحہ (ص ۲۳۴) پر اس روایت ''بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ'' سے بالکل اوپر دارمی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد کے حوالے سے یہ روایت درج کی ہے کہ فرمایا: (ملاحظہ فرمائیے ص ۲۳۴)

وَلَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: مَا شَاءَ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ۔

تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں بلکہ یوں کہا کرو: جو اللہ چاہے پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہیں۔

حضرت باری جلّ اسمہ کی صفت خاص کا اطلاق غیر پر کسی حال میں درست نہیں، نہ ملا کر نہ تنہا، نہ واوٗ کے ساتھ عطف کر کے نہ ثم کے ساتھ، نہ بلا عطف۔ اور جو صفت خاص نہیں ہے اس کا اثبات کسی طرح شرک نہیں ہوسکتا۔ تاہم کمالِ ادب یہ ہے کہ مشیتِ الٰہیہ کے ساتھ اس کا ذکر واوٗ عطف کے ساتھ نہ کیا جائے بلکہ ثم کے ساتھ کیا جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واوٗ کے ساتھ عطف کر کے ذکر کرنا شرک ہو۔

دیکھئے قرآن مجید میں جابجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر، ذکرِ الٰہی کے ساتھ ملایا گیا ہے اور واوٗ عطف ہی کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجئے۔

(۱)…وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج… (التوبہ ۹:۷۴)

اور انھیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ ورسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۔ (التوبہ ۹:۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

(۳) اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۞ ۔ (المائدہ ۵:۵۵)

اے مسلمانو! تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور رکوع کرنے والے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے اور واوٗ عطف کے ساتھ ملایا ہے وہ بھی غنی کرنے، فضل فرمانے، عطا کرنے اور مدد فرمانے میں.

اس مضمون کی بکثرت آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ دو ایک حدیثیں بھی پیش کی جاتی ہیں

(۱) بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا یَنْقِمُ ابْنُ جَمِیْلٍ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ فَقِیْرًا فَاَغْنَاہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔

یعنی ابنِ جمیل کو یہی ناگوار ہوا کہ وہ فقیر تھا اللہ ورسول (جلّ جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس کو غنی کر دیا۔

اس میں غنی کرنے کا بیان ہے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے ساتھ اپنے آپ کو ملایا اور واؤ ہی کے ساتھ عطف فرمایا۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی،

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَا مَوْلٰی لَہٗ۔

اللہ ورسول اس کے حافظ ونگہبان ہیں جس کا کوئی نگہبان نہ ہو۔

بعطائے الٰہی رسول کے چاہنے سے کیا کچھ ہوتا ہے؟

اور اتنا تو ہر کوئی جانتا ہے کہ چاند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ سے شق ہوا، سورج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے غروب کے بعد پھر پلٹ آیا، درخت اپنی جگہ سے چل کر فرمانبردارانہ خدمت کے لئے حاضر ہوئے۔ یہ سب کچھ باذن اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہے سے ہو رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں:

لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّھَبِ۔

اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کرتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ عنایت الٰہی رسول کے چاہنے سے کیا کچھ ہوتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔

مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمادی گئیں۔

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام خزانہائے زمین کی کنجیاں عطا فرمادیں۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کوئی انتہا ہے؟ جو کچھ زمین پر ہے انسان، حیوانات، ہر قسم کے غلّے ہر قسم کے پھل، سونا، چاندی، موتی، لعل، زمرد، جواہر وغیرہ یہ سب زمین کے خزانے ہیں اور حضور اُن کے مالک ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ۔

کہ مجھے دو خزانے عطا فرمائے گئے، ایک سرخ اور ایک سفید۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام سونا چاندی عطا فرمادیا گیا اور قبضہ میں دے دیا گیا تاکہ ملکیت ثابت ہوجائے۔

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ۔

یعنی اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں قاسم (بانٹنے اور تقسیم کرنے والا) ہوں۔

معلوم ہوا کہ جسے بھی جو بھی جب بھی خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے عطا ہوتا ہے وہ حضور ہی کی تقسیم سے ملتا ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے دینے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقسیم فرمانے کو بغیر کسی قید کے بیان فرمایا گیا ہے۔ نہ زمانہ کی قید، نہ چیز کی قید، نہ ہی لینے والے کی۔ یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کیا بانٹتے ہیں وہ جو خدا دیتا ہے اور خدا تو ہر چیز دیتا ہے لہذا حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہر چیز بانٹتے ہیں۔

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

یمین (قسم) اور اس کا کفارہ

یمین کا لغوی معنی: یمین کا لغوی معنی برکت، قدرت اور قوت ہے۔ یمین کا معنی دایاں ہاتھ بھی ہے اور قسم کو بھی یمین کہتے ہیں کیونکہ اہلِ عرب اپنا دایاں ہاتھ ملا کر اور ایک دوسرے کے دائیں ہاتھ پر ہاتھ مار کر حلف (قسم) اٹھاتے تھے۔

یمین کا اصطلاحی معنی: یمین وہ قوی عقد ہے جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اسے یمین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دائیں ہاتھ سے اشیاء کی حفاظت ہوتی ہے اسی طرح یمین سے بھی اس چیز کی حفاظت ہوتی ہے جس پر قسم کھائی جاتی ہے۔

قسم کی اقسام:

قسم کی تین قسمیں ہیں: یمین غموس، یمین لغو اور یمین منعقدہ۔

(۱) یمین غموس: کسی امر پر عمداً واقع کے خلاف قسم کھانا یعنی کسی گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا یمین غموس ہے۔ غموس کا معنی ڈبو دینے والا ہے اس قسم کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو گناہ اور وبال میں ڈبو دیتی ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے اور دنیا و آخرت میں اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ اگرچہ اس کا کوئی کفارہ نہیں لیکن اس سے توبہ کرنا لازم ہے

(۲) یمین لغو: اگر کوئی شخص ماضی یا حال کے کسی کام پر اپنے گمان میں سچی قسم کھائے لیکن درحقیقت وہ جھوٹی قسم ہو یعنی اس کے خیال میں سچ ہو مگر حقیقت میں جھوٹ ہو تو

یہ یمین لغو ہے۔ مثلاً: کسی نے زید کو بتایا کہ بکر بیمار ہے، زید نے قسم کھا کر دوسروں کو بتا دیا کہ بکر بیمار ہے جبکہ خبر دینے والے نے جھوٹی خبر دی تھی۔

اسے لغو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا، اس قسم پر نہ کفارہ ہے نہ گناہ لیکن اس کی عادت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عادت ہو جانے کی صورت میں پھر یہی قسم یمین غموس بن جاتی ہے۔

(۳) یمین منعقدہ: آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے تو اسے یمین منعقدہ کہتے ہیں۔ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

قسم کو پورا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کسی معصیت پر قسم نہ کھائی ہو، اگر کسی معصیت پر قسم کھائی ہو تو لازم ہے کہ معصیت نہ کرے اور قسم کا کفارہ دے۔

اگر یہ قسم کسی اچھے کام کو چھوڑنے یا برا کام کرنے کے لئے کھائی گئی تو اس کا توڑنا واجب ہے اس صورت میں کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا اور توبہ بھی کرنا ہوگی۔ مثلاً کسی نے نماز نہ پڑھنے کی قسم کھالی یا چوری کرنے کی قسم کھالی۔

قسم کا کفارہ: قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس غریبوں کو دونوں وقت کا کھانا کھلایا جائے یا کپڑا پہنایا جائے (لیکن یہ کھانا یہ کپڑا ایسا ہی ہو جو عام طور پر قسم کھانے والا خود کھاتا یا پہنتا ہے) یا اگر غلام موجود ہے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔ اور اگر کوئی ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام نہ کر سکے تو پھر تین روزے رکھے جو مسلسل ہوں یعنی درمیان میں ناغہ نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ قسم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ

تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ ط فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ ط ذٰلِکَ کَفَّارَۃُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔ (المائدۃ ۵:۸۹)

نہ باز پرس کرے گا اللہ تم سے تمھاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو، تو قسم کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا، جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائیں جائیں انھیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے تو وہ روزے رکھے تین دن کے، یہ کفارہ ہے تمھاری قسموں کا جب تم قسم اُٹھاؤ۔ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی، اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمھارے لئے اپنی آیتیں کہ تم شکر ادا کرو۔

غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کی وجہ:

غیر اللہ کی قسم کھانے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعظیم میں اس کی شرکت لازم آتی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری شرح بخاری'' میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کسی کے نام کی قسم کھانا اس کے نام کی عظمت کا تقاضا کرتا ہے اور عظمت حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے اللہ تعالیٰ کی طرح غیر اللہ کی تعظیم کی اس لئے اس کو شرک قرار دیا گیا کیونکہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ شریک کر دیا۔

شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی اور شارح مسلم امام نووی رقم طراز ہیں:

غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ حقیقتِ عظمت اللہ عزّوجلّ کے ساتھ مختص ہے اس لئے کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔

شرح مسلم اردو (جلد ۲ ص ۴۶) میں علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

ہر چند کہ بعض طریقوں سے مخلوق کی تعظیم بھی جائز ہے جیسے سلام، قیام اور دست بوسی وغیرہ لیکن قسم تعظیم کی ان انواع میں سے ہے جو شریعت نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص کردی ہے جیسے رکوع، سجود وغیرہ۔

نذر، اس کی اقسام اور ان کے احکام

لفظِ نذر کے دو معنی ہیں: شرعی اور عرفی

نذر شرعی: کسی مکلف کا اپنے اوپر کسی ایسی عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ خود اس کو واجب نہ کرتا تو اس پر لازم نہ ہوتی۔ یعنی نذر شرعی جو واجب الاداء ہے شرع شریف میں اس کی تعریف یہ ہے کہ مومن (مکلف) کا اس طاعت مقصود بالذات کو اپنے اوپر واجب کرنا جو خود قبل از نذر واجب نہ ہو مگر اس عبادت کی جنس سے دوسری عبادات مشروع ہوں۔

ان قیود سے حسبِ ذیل اشیاء نذر کی تعریف سے خارج ہو گئیں۔

(۱) نذرِ معصیت: (معصیت اور گناہ کی نذر)۔ یہ خارج ہوئی قیدِ طاعت سے۔ لہذا گناہ کی نذر صحیح اور درست نہیں ہے۔

(۲) نذر نمازِ فرض: (فرض نماز کی نذر و منّت مثلاً نذر نمازِ ظہر)۔ یہ خارج ہوئی قید خود واجب نہ ہونے سے جبکہ نمازِ ظہر تو خود واجب (فرض) ہے۔ یعنی اس چیز کی نذر نہ ہو جو شرع نے خود اس پر واجب کی ہے۔ لہذا فرض نماز کی منّت و نذر صحیح نہیں ہے۔

(۳) نذرِ وضوء: یہ خارج ہوئی قید مقصود بالذات سے۔ اس واسطے کہ وضوء مقصود بالذات نہیں بلکہ وضوء سے مقصود نماز ہے لہذا وضوء کی نذر مانی تو یہ نذر واجب نہیں ہو گی۔

(۴) نذر عیادتِ مریض: کیونکہ نذر کے صحیح ہونے کے لئے یہ قید بھی ہے کہ ایسی چیز کی منّت (نذر) ہو کہ اس کی جنس سے کوئی واجب ہو۔ اب عیادتِ مریض کی نذر صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ عیادتِ مریض سنّت ہے واجب نہیں۔

نذرِ شرعی کا حکم:

مندرجہ بالا معنی شرعی کی رو سے نذر عبادت ہے۔ اور چونکہ نذر شرعی عبادت ہے لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے خاص ہے یعنی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے کیونکہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور غیر کی نذر اس معنی شرعی کی رو سے حرام بلکہ شرک ہے۔

نذر ماننے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ قرآنِ کریم میں حضرت عمران کی بیوی (حضرت مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی والدہ) کے نذر ماننے کا ذکر موجود ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۞۔ (ال عمران ۳:۳۵)

جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میں نے تیرے لئے (اس کی) نذر (منّت) مانی، جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا (خالص تیرے لئے) تو (اے رب) قبول کر لے مجھ سے، بیشک تو ہی بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

یاد رہے کہ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام انھوں نے مریم رکھا اور یہی مریم اللہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے بغیر شوہر کے ایک بیٹے کی ماں بنیں جو اللہ کے جلیل القدر رسول حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا۔ قیامت سے پہلے دنیا میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امّتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور اسلام کی عظیم خدمت سرانجام دیں گے۔

نذر کی ایک دوسری مثال سورۃ مریم میں موجود ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر خاوند کے بیٹا عطا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حضرت مریم کو فکر لاحق ہوئی کہ گھر والوں اور قوم (خاندان) کو کیسے مطمئن کروں گی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا:

...فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا لا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۔ (مریم ۱۹:۲۶)

پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو (اشارے سے) کہہ دے کہ میں نے رحمٰن کے لئے (خاموشی کے) روزے کی نذر مانی ہے تو آج میں ہرگز کسی آدمی سے گفتگو نہیں کروں گی۔

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے بہت پہلے کی بات ہے جب تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلانِ حج کرنے کا حکم فرمایا تو حج کے چند احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج ۲۲:۲۹)

پھر چاہیے کہ دور کریں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی نذر کا عام رواج تھا۔ اسی رواج کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے چاہِ زم زم کھودتے ہوئے ربِ کعبہ سے دعا کی تھی کہ مجھے دس بیٹے عطا فرما اور نذر مانی تھی کہ اگر یہ دسوں میری زندگی میں جوان ہو گئے تو ان میں سے ایک کو تیرے لئے قربان کروں گا۔

اسلام نے ماضی کے تمام طریقوں اور رسم و رواج کا یکسر خاتمہ نہ کیا بلکہ ان میں

سے جو چیزیں اسلام کے بنیادی اصولوں اور مزاج کے خلاف نہ تھیں انھیں ضروری اصلاح کے بعد باقی رکھا۔نذر بھی انہی میں سے ہے۔

نذر درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ایک وعدہ ہے جو بندہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ لہذا اس کا پورا کرنا بندے پر واجب قرار دیا گیا۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ

اور چاہیے کہ پوری کریں اپنی نذریں۔

اور فرمایا:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ط.... (البقرۃ ۲:۲۷۰)

اور جو بھی تم نے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا یا کوئی نذر (منّت) مانی تو بیشک اللہ اسے جان لیتا ہے۔

نیز ایفائے نذر کو اہل جنت کی خوبیوں میں شمار کیا گیا:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيرًا۔ (الدھر ۷۶:۷)

جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت ہر طرف پھیلی ہوگی۔

صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں نذر سے متعلق احکام کی وضاحت فرمائی۔اور مطلقاً نذر ماننے کی ممانعت نہیں فرمائی۔

چنانچہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَہٗ فَلَا یَعْصِہٖ۔

جس نے اللہ کا حکم ماننے کی نذر مانی تو ضرور حکم مانے اور جس نے اس کی نافرمانی کی نذر مانی تو اس کی نافرمانی نہ کرے۔

مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی ایسے عمل کی نذر مانی جائے جو شریعت کے مطابق ہو تو اسے پورا کیا جائے اور اگر کسی ایسے عمل کی نذر مانی گئی جو خلافِ شرع ہے تو اسے پورا نہ کیا جائے۔

صحیحین کی ایک حدیثِ پاک جس میں نذر سے ممانعت فرمائی گئی، ذرا اس کا اسلوب و انداز بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْذِرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْقَدْرِ شَیْئًا وَاِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِہٖ مِنَ الْبَخِیْلِ۔

نذر نہ مانا کرو کہ یہ تقدیر کو ٹال نہیں سکتی لیکن اس کے ذریعہ بخیل کا مال نکل جاتا ہے۔(یعنی یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے) شیخ ابن تیمیہ نے صحیحین وغیرہ کے حوالے سے جو روایت درج کی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں:

اِنَّہٗ لَا یَاْتِیْ بِخَیْرٍ، وَلٰکِنَّہٗ یُسْتَخْرَجُ بِہٖ مِنَ الْبَخِیْلِ۔

نذر کسی خیر کو نہیں لاتی، یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

دیکھئے یہاں بھی مطلقاً نذر ماننے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ بات بات پر نذر ماننے اور اس خیال سے نذر ماننے کی ممانعت کی جارہی ہے کہ نذر ماننے سے تقدیر تک بدل جاتی ہے اور مرضی کے مطابق کام ضرور ہو جاتا ہے۔اسی لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

نذر کا ایک فائدہ بھی بیان فرما دیا کہ جو شخص ویسے صدقہ وخیرات کرنے میں بخیل ہو، نذر پوری کرنے ہی کے بہانے اس کا مال خرچ ہوتا رہتا ہے۔لہذا نذر کی وقعت واہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے اہم مواقع پر ہی ماننا چاہیے۔اور یہ خیال تک نہیں کرنا چاہئے کہ اس ذریعہ سے مراد ضرور ہی پوری ہوگی کہ مرادیں پوری کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق جسے جو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔نذر تو اس کی عطا پر شکریہ کا ایک طریقہ ہے۔البتہ خلافِ شرع کسی عمل کی نذر جائز نہیں۔

چنانچہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَۃٍ وَ کَفَّارَتُہٗ کَفَّارَۃُ الْیَمِیْنِ۔

گناہ کے کام کی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہی قسم والا کفارہ ہوگا۔

خلافِ شرع کسی عمل کی نذر ہو، غیر معین نذر ہو یا کسی ایسے کام کی نذر ہو جو طاقت سے باہر ہو تو اسے پورا نہیں کیا جائے گا۔ہاں کفارہ ادا کرنا ہوگا اور نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے، یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا یا غلام آزاد کرنا ورنہ تین روزے رکھنا۔

نذر عرفی:

اس کو فارسی میں نیاز کہتے ہیں اور یہ عبارت ہے اس سے کہ کوئی ادنیٰ شخص کسی اعلیٰ شخص کی خدمت میں کوئی شئی پہنچائے۔اور عوام مسلمین جب یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر میرا کام ہو گیا تو اس قدر نذر حضرت غوثِ اعظم قدس سرّہٗ کی دوں گا تو ان کی مراد معنی عرفی ہوا کرتے ہیں اور معنی شرعی ان کی مراد نہیں ہوا کرتے اس واسطے کہ معنی شرعی ہرگز ان کے ذہن میں حاصل نہیں ہوتے اور جو چیز ان کے ذہن میں نہیں کس طرح اس کو مراد لے سکتے ہیں۔لہذا

مشائخ (بزرگوں) اور پیران عظام کے لئے جو نذر ہوتی ہے وہ بمعنی نذرانہ اور ہدیہ ہوتی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: اس نذر عرفی کے یہی معنی ہیں اور یہی اس کی حقیقت ہے کہ میّت کی روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے یا مال کے خرچ کرنے کا ثواب اس میّت کی روح کو پہنچایا جائے اور یہ امر مسنون اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں جوامِ سعد کا حال مروی ہے وہ اس نذر کو مستلزم ہے۔

پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ فلاں بزرگ کی روح کو اس قدر ثواب ہدیہ کرتا ہوں اور ولی بزرگ کا نام اس واسطے لیا جاتا ہے کہ عمل منذور کی تعیین ہو جائے نہ اس واسطے کہ وہ ولی مصرف ہے طعام یا مال کا۔ بلکہ اس طعام یا مال کا مصرف نذر کنندگان کے نزدیک اس ولی کے اقرباء و خدام، ہم طریقت اور اس کے امثال ہوتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہی مقصود نذر کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفاء (پورا کرنا) واجب ہے۔ اس لئے کہ یہ قربت شرع میں معتبر ہے۔ ہاں اگر ولی کو حل کرنے والا مشکلات کا مستقل طور پر یا شفیع غالب اعتقاد کرے تو یہ عقیدہ اس کو شرک و فساد کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ الگ چیز ہے اور نذر الگ چیز۔

اگر ایک شخص نذر معین کرے اس طور پر کہ اگر میرا مریض اچھا ہو جائے یا مسافر میرا گھر میں خیریت سے آجائے تو میں اللہ کے نام کا بکرا دوں گا اور ثواب اس ولی اللہ کو پہنچاؤں گا تو اس صورت میں ایفائے نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔ یعنی یہ نذر جو ایصالِ ثواب کے لئے ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(1) بزرگوں کی منت (نذر) حقیقتاً مولیٰ عزوجل کیلئے ہی منت ہوتی ہے اور بزرگوں کو ایصال ثواب کر کے ان سے تقرب بغرض توسل ہوتا ہے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

(2) اگر کسی نے منت مانی کہ اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ نے فرزند دیا تو اس قدر خیرات فی سبیل اللہ بارواح رسول کریم یا حضرت پیر دستگیر یا ولی اللہ کروں گا یہ نذر بلا شبہ جائز ہے اور اس کا پورا کرنا واجب۔

نذر بزرگان جو حاجات کے لئے معمول ہے اور اس کا دستور ہے اس نذر کا معنی اور حقیقت اسی قدر ہے کہ میّت کے روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے اور مال کے خرچ کرنے کا ثواب پہنچایا جائے۔ یہ امر مسنون ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں ام سعد وغیرہ کا حال مَروی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں:

کہ امامین (حضرت امام حسن علیہ السلام و حضرت امام حسین علیہ السلام) کی نیاز کا کھانا کہ اس پر فاتحہ، قل، درود پڑھتے ہیں متبرک ہوتا ہے اور اس کا کھانا بہت خوب ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

کہ اس نذر (عرفی) کی حقیقت کھانے اور مال خرچ کرنے کا ثواب میت کی روح کو پہنچانا ہے۔ اور یہ امر سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ام سعد وغیرہ کی حدیث سے ثابت۔

خلاصہ مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت سعد صحابی رضی اللہ عنہ کی والدہ نے وفات پائی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! سعد کی والدہ فوت ہو گئیں۔ (میری غیر موجودگی میں میری والدہ فوت ہو گئیں) اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، کنواں بنواؤ

اور کہو کہ یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے۔ چنانچہ انھوں نے کنواں کھدوایا اور کہا:

هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (یہ سعد کی ماں کے لئے ہے)

خلاصہ ءبحث: یہ ہے کہ نذرِ اولیاء تین وجوہ سے مباح اور جائز ہے۔

(۱) پہلا یہ کہ نذر گزار اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرے کہ اگر میری مراد حاصل ہوگئی تو اے اللہ تیری نذر فلاں بزرگ کے مزار کے خدّام کو دوں گا۔

(۲) دوم یہ کہ کہے بزرگ کو مخاطب بنا کر یا حضرت! آپ جنابِ الٰہی میں میری اس مشکل کے لئے دعا کریں کہ میری یہ مراد حاصل ہو جائے تو آپ کی طرف سے اس قدر طعام یا نقد جنابِ الٰہی میں بطور تصدق پیش کروں گا تا کہ آپ کو ثواب ملے۔

(۳) سوم یہ کہ اس بزرگ کو جنابِ باری تعالیٰ میں وسیلہ اور شفیع بنا کر عرض کرے الٰہی فلاں بزرگ کی روح کی برکت سے آپ اگر میری مشکل حل فرمائیں گے تو اس قدر مال آپ کے لئے خیرات کروں گا اور ثواب اس کا اس بزرگ کی روح کو بخشوں گا تا کہ اس بزرگ پر احسان کرنے سے آپ راضی ہو جائیں۔ الغرض نذر کے عمل میں اس کے ایصالِ ثواب میں کسی بزرگ ولی کا نام لینا جائز ہے مثلاً یہ کہنا کہ میرا یہ کام ہو گیا تو میں حضور غوثِ پاک کی گیارہویں شریف کراؤں گا یا محفلِ میلاد شریف کرواؤں گا یا فلاں بزرگ کے مزار پر فاتحہ کے لئے حاضری دوں گا، یہ تمام صورتیں جائز ہیں کہ اولیاء اللہ سے اظہارِ عقیدت، ثبوتِ نسبت اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

الحمدللہ خوب واضح ہو گیا کہ مسلمان جو نذریں نیازیں کر کے بزرگوں کے لئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں وہ جائز و درست ہیں اور ان کا جواز احادیث سے ثابت ہے۔

عقیدۂ شفاعت:

شفاعت کا لغوی معنی: شفاعت کا لفظ ''شفع'' سے مشتق و ماخوذ ہے۔ شفع کے معنی ہیں (ملنا، ملانا) ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔

عربی زبان میں شفع جوڑے کو اور برابر والے پڑوسی کو بھی کہتے ہیں اسی سے حقِ شفعہ ہے جو برابر والے پڑوسی کے حق کے لئے بولا جاتا ہے۔ نماز کے دوگانہ کو بھی شفع کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی ایک رِکعت کو دوسری رکعت کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ اسی طرح شفاعت کو بھی شفاعت اس لئے کہتے ہیں کہ مجرم اپنی شفاعت و سفارش کے لئے کسی مقبولِ بارگاہِ الوہیت کو اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ اور اسے شفیع بنا کر لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس شفیع کے وسیلہ سے مجرم کو معاف فرما دیتا ہے۔

شفاعت کا اصطلاحی معنی: شفاعت کا معنی ہے کسی کے گناہوں اور قصوروں کی معافی چاہنا اور جرائم و معاصی سے درگزر کرنے کی درخواست کرنا۔ یعنی شفاعت اس کا نام ہے کہ کسی صاحبِ مرتبہ علیا کی جناب میں کوئی قرب و اختصاص رکھنے والا بلحاظ اپنی نیازمندی کے اپنے زیردستوں کے لئے لب کشائی کرے۔

اور کبیرہ گناہوں کی صورت میں بالکلیہ عذاب سے محفوظی یا تخفیفِ عذاب، یا صغائر کی معافی، یا جب نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں تو دخولِ جنّت یا درجات کی بلندی کے لئے کوئی مقبولِ بارگاہِ صمدیت اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی اجازت یا اس کی عطا کردہ وجاہت و محبوبیت کی بنیاد پر کسی شخص کی شفاعت کرے۔

مفہومِ شفاعت:

اللہ تبارک وتعالیٰ بروزِ محشر اپنی رحمتِ واسعہ اور فضل وکرم سے اپنے گناہگار بندوں کی مغفرت وبخشش فرمائے گا۔ (گناہگار) بندے مجرم بھی اسی کے ہیں اور بخشنے والا بھی وہی ہے، اس کی بارگاہ میں کسی کا زور نہیں چلتا مگر اللہ جلّ مجدہٗ اپنے مقبول وپسندیدہ اور مقرب ومحبوب بندوں کی عزت ووجاہت کو ظاہر کرنے اور ان کی شانِ محبوبیت دکھانے کے لئے انھیں یہ اعزاز بخشے گا کہ وہ اس کے اذن واجازت سے اس کے گناہگار بندوں کی شفاعت کریں۔ اور وہ محض اپنے فضل وکرم سے ان کی شفاعت قبول فرما کر گناہگاروں کو بخش دے گا۔

عقیدۂ شفاعت:

مسئلہ شفاعت قطعی ہے۔ اور خاصانِ حق کی شفاعت حق ہے۔ اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک گناہگاروں کی نجات، تخفیفِ عذاب اور نیک لوگوں کی ترقی درجات کے لئے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور صلحاء عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کی شفاعت حق ہے۔ اور کتاب وسنّت کے قوی دلائل سے ثابت ہے۔ بکثرت آیاتِ قرآنیہ اس کی شاہد ہیں اور احادیث تو اس باب میں درجہ شہرت بلکہ تواتر معنوی تک پہنچتی ہیں۔

آیات قرآنیہ میں کفار کو شفاعت سے مایوس کیا گیا ہے اور ان کے اس اعتقاد کا ابطال کیا گیا ہے کہ بت بارگاہ الٰہی میں شفیع ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ بت محض بے اختیار ہیں، وہ کوئی نفع اور ضرر (نقصان) نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی بارگاہ الٰہی میں شفیع ہو سکتے ہیں کیونکہ شفیع تو محبوب ہو سکتے ہیں نہ کہ مغضوب اور بت تو مغضوب ہیں۔ شفاعت مقربین ومحبوبین کی ہو سکتی ہے نہ کہ مغضوبین کی اور بت تو مغضوب ہیں۔ خاصان حق بالخصوص سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا انکار بہت بڑی گمراہی ہے اور شفاعت کا منکر شفاعت سے محروم رہے گا۔

مَنۡ كَذَّبَ بِالشَّفَاعَةِ فَلَا نَصِيبَ لَهٗ فِيهَا۔

جس شخص نے شفاعت کی تکذیب کی اور اسے جھٹلایا، شفاعت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

لہذا یہ بات ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں بھی شفاعت کی نفی اور انکار ہے، وہ کفار کے لئے اور بتوں کی شفاعت کا انکار ہے جبکہ محبوبانِ خدا کی شفاعت کا اثبات ہے۔ نیز وہ نفی، بلا اذنِ الٰہی شفاعت کی نفی ہے۔

(۱) یعنی روزِ محشر کافروں کا کوئی شفیع (شفاعت کرنے والا) نہیں ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ شفاعت وہی کر سکیں گے جنھیں اذنِ الٰہی حاصل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی اس کی بارگاہِ صمدیت میں کسی گناہگار کی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو شفاعت کی اجازت دی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کی بارگاہ میں شفاعت بالوجاہت بھی کرتے ہیں اور شفاعت بالمحبۃ بھی۔

شفاعت بالوجاہت کا معنیٰ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول و محبوب بندوں کو وہ خصوصی امتیاز اور شرف عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی بارگاہ میں گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اب اگر ذاتِ خداوند تعالیٰ ان کی شفاعت قبول نہ کرے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اس کا شفاعت قبول نہ فرمانا اس خصوصی شرف و امتیاز کے خلاف ہوگا جو اس نے ان مقربین کو عطا فرمایا ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مقرب بنایا اور انھیں وجاہت عطا فرمائی ہے۔ اس کا ثبوت قرآنی آیات میں موجود ہے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

....وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ (الاحزاب ۳۳:۶۹)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک صاحب عزت ووجاہت ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

....وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.... (ال عمران ۳:۴۵)

(حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) دنیا وآخرت میں صاحب عزت ووجاہت ہیں

شفاعت بالمحبۃ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنھیں شانِ محبوبیت عطا فرما رکھی ہے، اس شانِ محبوبیت کی بنا پر وہ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ (یعنی شفاعت کرنے والا محبوب ہو) اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کو راضی کیا جائے۔ اس صورت میں قبولِ شفاعت کسی ضرر سے بچنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ شفاعت کرنے والے کی شانِ محبوبیت کو ظاہر کرنا، محبوب سے رنج وغم کو دور کرنا اور اسے راضی کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ہمارے آقا ومولا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محبوبِ اکبر اور شفیع المذنبین ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی شانِ کریمی سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۞ (الضحیٰ ۹۳:۵)

عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

تفاسیر میں ہے:

لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اِذًا لَا اَرْضٰی قَطُّ وَوَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِي فِي النَّارِ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرکارِ دو عالم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تو میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے۔

مسلم شریف میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امت کی مغفرت کے لئے دعا فرما رہے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریلِ امین علیہ السلام کو حکم دیا:

يَا جِبْرِيْلُ! اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ، فَقُلْ: اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ۔

اے جبریل میرے محبوب کی بارگاہ میں جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو غمگین اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔

اللہ اکبر کیا شانِ محبوبیت ہے۔

قرآنِ پاک میں کس شان کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا اثبات فرمایا ہے: کریم بندہ نواز نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے کیسے وعدے فرمائے ہیں۔ اپنی شانِ کریمی سے انھیں راضی کرنے کا ذمہ لیا ہے، حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شانِ ناز سے فرمایا کہ جب یہ کرم ہے تو ہم اپنا ایک امتی بھی دوزخ میں نہ چھوڑیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے:

....عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۞ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۹)

قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

مقامِ محمود، مقامِ شفاعت ہے جیسا کہ خود صاحبِ مقامِ محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

هُوَ الْمَقَامُ الَّذِيْ اَشْفَعُ فِيْهِ اُمَّتِيْ۔

(مقامِ محمود) وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

تفسیر مدارک وغیرہ میں اسی آیت کے تحت فرمایا:

وَالْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ هُوَ مَقَامُ الشَّفَاعَةُ لِاَنَّهٗ يَحْمَدُهٗ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَ الْاٰخِرُوْنَ۔

یعنی مقامِ محمود مقامِ شفاعت ہے کیونکہ وہاں اگلے پچھلے سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمد کریں گے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ثنا گر ہوں گے۔

کس کی شفاعت کریں گے، کیسے کریں گے۔ احادیث مبارکہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، ان سب کو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں، صرف چند ارشاداتِ عالیہ پڑھتے جایئے اور دعا کرتے جایئے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَةَ نَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَالشَّفَاعَةِ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اٰمِيْن بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن

بخاری شریف میں ایک طویل حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(بالاختصار پیش خدمت ہے)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت مومنین جمع کئے جائیں گے پس کہیں گے کاش ہم اپنے رب کے حضور کوئی شفاعت کرنے والا تلاش کرتے کہ ہمیں ہمارے اس مکان سے راحت دیتا تب وہ نبیوں کی بارگاہوں میں حاضری دے کر طلبِ شفاعت کریں گے مگر سب نبی یہی فرمائیں گے کہ آج یہ ہمارا منصب نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء دوسرے نبی کی طرف رہنمائی فرمائیں گے۔

یکے بعد دیگرے تمام انبیاء ورسل کے دروازوں پر دستک دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے۔ آپ بھی دیگر انبیاء کرام کی طرح خود شفاعت کرنے سے معذوری کا اظہار کریں گے لیکن کہیں گے میں تمھیں ایک ایسی ہستی کے پاس بھیجتا ہوں جس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا کبھی ناکام واپس نہیں لوٹتا۔ چنانچہ وہ سب کو بارگاہِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہونے کی ہدایت فرمائیں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری کا اذن طلب کروں گا، مجھے حضوری کی اجازت ملے گی جب میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گا، سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا اسی حال میں رہوں گا، پھر حکم ہوگا:

اِرْفَعْ رَأْسَكَ فَسَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

اے محبوب! سر اُٹھائیے اور بات کیجئے، کہئے سنی جائے گی، اور سوال کیجئے جو آپ مانگیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کیجائے گی۔

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے حد مقرر کی جائے گی پھر میں گناہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا، پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہی لوگ (کفار) رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے، یعنی اب دوزخ میں سوائے ان کفار کے کوئی باقی نہیں رہے گا جو بحکمِ قرآن جہنمی ہیں اور جن کا خلود فی النار اور ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم اور حضور سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ محبوبیت نیز کرمِ الٰہی کی ناز برداری دیکھئے کہ حبیب کا سر سجدہ نیاز میں ہے، ابھی حرفِ

شفاعت زبانِ اقدس پر نہیں آیا ابھی لفظِ سوال عرض نہیں کیا، ابھی کوئی بات نہیں فرمائی کہ رحمتِ حق نے سبقت کی۔ آج کہ انبیاء و مرسلین کا مقدس گروہ لب کشائی کی جرأت نہیں کرتا، محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت و منزلت یہ ہے کہ آپ کو اپنے مقصد کے لئے جنبشِ لب کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی، رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: اے محبوب! سجدہ سے سرِ انور اٹھائیے، تم کہو میں سنوں گا، تم شفاعت کرو میں شفاعت قبول کروں گا، تم مانگو میں دیتا جاؤں گا۔

کس درجہ حبیب کی دلداری و رضا جوئی ہے۔ ادھر سے کرم ہے تو حبیب کی ہمتِ علیا کا بھی یہ حال ہے کہ جہنم میں ایک ایمان دار کو بھی نہیں چھوڑتے، سب کو نکال لاتے ہیں۔ اور آخر میں بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

یَارَبِّ مَا بَقِیَ فِی النَّارِ اِلَّا مَنْ حَبَسَہُ الْقُرْاٰنُ وَوَجَبَ عَلَیْہِ الْخُلُوْدُ۔

یارب! جہنم میں کوئی ایمان دار باقی نہ رہا صرف وہی کفار باقی رہ گئے جو بحکمِ قرآن جہنم ہی کے لئے ہیں، اور ان کا اس میں ہمیشہ رہنا ضروری ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَسْعَدُ النَّاسِ لِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِہٖ۔

قیامت کے دن میری شفاعت سے خوب بہرہ اندوز (میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب) شخص وہ ہوگا جس نے خلوصِ دل سے کلمہ پڑھا۔

امام ترمذی، ابو داؤد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

شَفَاعَتِی لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی۔

میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ثابت ہے (میں اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا)۔

اُبنِ ماجہ نے روایت کیا ہے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا (فرشتہ) مرے پاس آیا پس اس نے مجھے (رب کی طرف سے) اختیار دیا کہ میں آدھی امت جنت میں داخل کئے جانے کا (وعدہ قبول کرلوں) یا شفاعت کرنے کا (حق لے لوں) پس میں نے شفاعت کو پسند کیا۔ اور یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو مر گیا اور اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا (شرک نہیں کیا، حالتِ ایمان میں مرا)۔

طبرانی، دار قطنی فتح الباری اور صواعق محرقہ میں ہے:

اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ مِنْ اُمَّتِی اَهْلُ بَیْتِی ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ۔

میں اپنی امت میں سے سب سے پہلے جن کی شفاعت کروں گا، وہ میرے اہل بیت ہیں، پھر مرتبہ بمرتبہ قریب تر کی۔ (درجہ بدرجہ جو زیادہ قریب ہیں)

مندرجہ بالا اس حدیث پاک کو سیّدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی فتاوی رضویہ میں درج فرمایا ہے۔

ابنِ ماجہ میں ہے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ۔

قیامت کے دن انبیاء، علما اور شہداء تینوں گروہ شفاعت کریں گے۔ اس حدیث کے

حاشیہ میں ہے کہ مراد یہ ہے کہ بطریق عموم تین گروہ شفاعت کریں گے ورنہ حفاظ اور بچوں کی شفاعت بھی خاص لوگوں کے حق میں احادیث سے ثابت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ ان تین گروہوں کی تخصیص ان کے زیادت فضل وکرامت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ مسلمانوں میں سے تمام اہل خیر کے لئے شفاعت ثابت ہے اوراس کے بارے میں احادیث مشہورہ وارد ہیں۔

حاصلِ کلام:

قرآن و حدیث کے دلائل قاہرہ اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ عقیدۂ شفاعت حق ہے۔ نیز مندرجہ بالا احادیث سے اظہر من الشّمس اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شفیع المذنبین ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے بھی ایسے مقربین اور محبوبین ہونگے جو اس دن ہم گناہ گاروں کا سہارا بنیں گے، ہماری شفاعت کریں گے اور نجات کا وسیلہ بنیں گے۔ بایں طور شفاعت کا عقیدۂ حقہ ہم جیسے گنہگاروں کے لئے بڑا ہی تقویت بخش سہارا ہے اور نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہی ہماری نجات کا وسیلہ وذریعہ ہے

تاہم قرآن مجید اور احادیث کریمہ میں بعض گناہوں پر جہنم میں داخل کرنے اور عذاب دیئے جانے کا ذکر موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہ گاروں کو عذاب ہوگا اور بعض گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت محضہ یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر مقربین کی شفاعت سے بخش دے گا۔ پھر بخشش کی بھی کئی صورتیں ہیں، اصل عذاب میں کمی کردی جائے، کچھ عذاب بھگتنے کے بعد بخشش ہو، یا بالکل معاف کردیا جائے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ ہر آن ہر ساعت اور ہر لمحہ ولحظہ خوف وخشیتِ الٰہی کو دل میں جگہ دیں، اور ارتکابِ معصیت سے باز رہیں، گناہ کرنے سے بچتے رہیں اور اگر شامتِ نفس سے کوئی گناہ

سرزد ہو جائے تو آریہ سماج کی طرح مایوس نہ ہوں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ودیگر محبوبین بارگاہِ الٰہی کی شفاعت سے بخشش کے امیدوار رہیں۔

اِسْتِشْفَاع:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے لے کر آج تک ہمیشہ سے اہلِ اسلام کا تعامل (دستور وطریقہ) رہا ہے کہ وہ حضور نبی کریم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ قدسیہ سے طلبِ شفاعت کرتے ہیں۔

صحابیٔ رسول حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامور صحابی حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ قدسیہ میں نعتیہ قصیدہ پیش کرتے ہیں، جسے سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روئے مبارک (چہرۂ انور) پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور اسے شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔ اس قصیدہ کے آخری شعر میں عرض کرتے ہیں:

وکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة

سواك بمغن عن سواد بن قارب

یارسول اللہ! جس دن آپ کی شفاعت کے سوا کسی کی شفاعت میرے کام نہیں آئے گی، اس دن آپ میری شفاعت فرمایئے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر ابن کثیر میں رقم طراز ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے آپ نے پوچھا تم میں سواد بن قارب ہے؟ خاموشی طاری رہی۔ آئندہ

سال پھر آپ نے یہی سوال دہرایا، میں نے عرض کیا یہ سواد کون صاحب ہیں؟ فرمایا ان کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا عجیب وغریب ہے۔ اسی اثناء میں حضرت سواد بھی آپہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرو۔ سواد بولے اے امیر المومنین! میں ہند میں تھا۔ ایک جن میرا تابع تھا ایک شب میں سویا ہوا تھا کہ اس نے آکر مجھے خواب میں کہا، اُٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ لوی ءبن غالب سے ایک نبی مبعوث فرمایا ہے، دوڑو اور اس پر ایمان لاؤ، تین رات یوں ہی ہوتا رہا، اس کے بار بار کہنے سے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ میں اُونٹنی پر سوار ہوا اور مکہ مکرمہ پہنچا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ حضور کے آس پاس حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، جب حضور کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا:

مَرْحَبًا بِكَ يَا سَوَادَ بْنَ قَارِبٍ قَدْ عَلِمْنَا مَا جَاءَ بِكَ.

اے سواد! خوش آمدید، جو تجھے لے آیا ہے ہم اس کو بھی جانتے ہیں۔

میں نے عرض کیا، یارسول اللہ میں نے چند شعر عرض کئے ہیں اجازت ہو تو پیش کروں؟ حضور نے اجازت دی، انہوں نے قصیدہ پیش کیا، ابتداء میں اپنے خواب کا واقعہ بیان کیا پھر محبت بھرے انداز میں اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ عشق ومحبت، ایمان ویقین سے لبریز یہ اشعار سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوگئے، اور فرمایا: اَفْلَحْتَ يَا سَوَادُ! اے سواد! تو دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگیا۔

اسی قصیدہ میں آخری شعر حضور کو یہ سنایا اور عرض کیا:

فکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعۃ

بمغن فتیلا عن سواد بن قارب

یا رسول اللہ! جس دن آپ کی شفاعت کے سوا کسی کی شفاعت میرے کام نہیں آئے گی، اس دن آپ میری شفاعت فرمائیے۔

حضرتِ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

حضرتِ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے مشہورِ آفاق قصیدہ، قصیدۃ النعمان فی مدح سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں بطورِ استغاثہ عرض کرتے ہیں:

یا مالکی کن شافعی فی فاقتی
انی فقیر فی الوری لغناکا

اے میرے مالک! گناہوں میں میری شفاعت کیجئے میں آپ کی شفاعت کا محتاج ہوں۔

انا طامع بالجود منك ولم یکن
لابی حنیفۃ فی الانام سواکا

میں دل سے آپ کے فیض وشفاعت کا امیدوار اور خواہش مند ہوں، آپ کے سواء مجھ بیچارے ابو حنیفہ کا جہان میں کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

فعساك تشفع فیه عند حسابه
فلقد غدا مُتَمَسِّكاً بِعُراکا

خدا کرے آپ رحم میں آکر قیامت کے دن کہ سخت مشکل اور وقتِ حساب ہے، میری شفاعت کریں اور خدا سے مجھے مانگ لیں۔

فلانت اکرم شافع ومشفع
ومن التجی بحماك نال رضاکا

اللہ کے نزدیک آپ بہت معزز ہیں اور آپ شفاعت کے مجاز بھی ہیں اور آپ کی شفاعت قبول ہے، جس نے آپ کی پناہ لی، آپ کی خوشنودی حاصل کی۔

فاجعل قِرَاكَ شفاعة لی فی غد

فعسی اُرٰی فی الحشر تحت لواكا

اے میری آنکھوں کے نور! حشر میں مجھے بھی اپنی شفاعت سے بہرہ مند فرمانا اور اپنے لوائے حمد کے زیرِ سایہ جگہ عطا فرمانا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ نے صحابی جلیل حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی اور اقتداء کرتے ہوئے ایک مشہور قصیدہ لکھا، ''اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم''۔ اس قصیدہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ندائیں بھی کیں، حضور سے مدد بھی چاہی، آپ کو واہب اور دافع بلا و مصیبت بھی مانا، عطاؤں کی کنجیاں بھی آپ ہی کے ہاتھ میں بتائیں، آپ کی ذات پر بھروسہ بھی کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شفیع و حاجت روا بھی کہا:

وانت شفیع یوم لا ذو شفاعة

بمغن کما اثنی سواد بن قارب

آپ قیامت کے روز جبکہ کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت نفع نہیں دے گی آپ اس روز شفاعت فرمائیں گے جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگی جس طرح حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء گستری کی ہے۔

ضیاء الامت پیر کرم شاہ صاحب الازہری اس کی شرح میں رقم طراز ہیں:

اس کلمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مصرع سواد بن قارب کا ہے جس پر تضمین کی گئی ہے بلکہ درحقیقت یہ سارا قصیدہ آپ کے قصیدہ کی پیروی میں لکھا گیا ہے جو رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پڑھا گیا اور جس کو شرفِ قبولیت نصیب ہوا۔

نیز لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب نے بارگاہِ رسالت میں صلاۃ وسلام عرض کرنے کے بعد حضور کے بارے میں اپنے اس عقیدہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ آپ وہ بہترین ہستی ہیں جن سے امید وابستہ کی جاسکتی ہے اور آپ وہ بہترین سخی ہیں جو اپنے سائل کی جھولی کو اپنی بخشش کے عطیات سے لبریز کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ جب مصائب و آلام کے بادل چاروں طرف سے گھر کر آجائیں تو اس وقت ان کالی گھٹاؤں کو دور کرنے کے لئے حضور سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اور حضور کی سخاوت کے سامنے گھنگھور گھٹاؤں کی موسلا دھار بارش کی بھی کوئی وقعت نہیں اور اس امر کی بھی تصریح کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجی حضور کی ذات اقدس واطہر ہے۔ جس کو بھی انعاماتِ الٰہی سے کوئی انعام ملا ہے وہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اور وسیلہ سے ملا ہے۔ اور حضرت سواد بن قارب کے قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جو بڑا شدید اور مشکل دن ہوگا حضور ہی کی شفاعت ہم گناہگاروں کی چارہ سازی فرمائے گی۔

حضرت امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ

حضرت امام شرف الدین بوصیری المتوفی ۶۹۴ھ اپنے شہرہ آفاق قصیدہ (قصیدہ

بردہ شریف) میں دربارِ رسالت میں استغاثہ اور استشفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں:

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

وہی حبیب لبیب (حبیبِ خدا) ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے ہر شدت و مصیبت میں جس میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔

یاد رہے یہ وہی قصیدہ ہے جس کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک روز اچانک مجھے فالج پڑا اور میرا نصف حصہ بے حس ہو گیا، اس مصیبت کی حالت میں میرے ضمیر نے مشورہ دیا کہ ایک قصیدہ حضور کی مدحت میں لکھوں اور اس کے ذریعہ اس باب الشفاء سے اپنے لئے شفاء طلب کروں۔ چنانچہ اسی حالت میں مَیں نے اس قصیدہ مبارکہ کو لکھا، بعد الفراغ جب سویا تو خواب میں اس مسیح کونین شفاءِ دارین کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور اسی عالمِ رؤیا میں مَیں نے یہ قصیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر چادر انعام میں بخشی اور اپنا دستِ نوری میرے بدن پر پھیرا۔ جب آنکھ کھولی تو میں نے اپنے آپ کو بالکل صحت یاب پایا۔

اس خوشی اور فرحت و مسرت میں علی الصبح اپنے گھر سے نکلا تو راستہ میں شیخ ابوالرجاء الصدیق ملے جو ایک ولی کامل تھے وہ مجھے فرمانے لگے: اے بوصیری! وہ قصیدہ سناؤ جو حضور کی مدحت میں تم نے تالیف کیا ہے، میں نے عرض کیا میں نے حضور کی مدحت میں بہت سے قصائد لکھے ہیں، آپ کون سا قصیدہ سننا چاہتے ہیں، انھوں نے فرمایا وہ قصیدہ سناؤ جو گذشتہ رات تم دربارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کر رہے تھے، اور حضور اس قصیدہ کو سن کر اظہارِ پسندیدگی کے لئے پھلوں سے بھری ہوئی ڈالی کی طرح ایسے تمایل و تحرک

فرما رہے تھے جیسے وہ ڈالی نسیم ریاح کی حرکت سے ہلنے لگتی ہے۔

یہ قصیدہ بردہ شریف کے نام سے مشہور ہوا اس لئے کہ بردہ چادر کو کہتے ہیں اور جب یہ قصیدہ امام بوصیری نے خواب میں حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنی بردِ یمانی عطا فرمائی۔

صحابی رسول حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قصیدہ کی پسندیدگی پر عطاء بردِ یمانی کا انعام حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مل چکا ہے۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لانے کے بعد بارگاہِ رسالت میں بغرض عفو تقصیرات قصیدہ بانت سعاد پیش کیا، جب حضرت کعب اس شعر پر آئے:

وَاِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ

وَسَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے نور ہیں جس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک شمشیر بے نیام ہیں۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بردِ یمانی حضرت کعب کو عطا فرمائی۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نعت کو پسند فرمایا لیکن ایک شعر کی اصلاح بھی فرمادی۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے لئے ہر پہلو سے اصلاح کا پیغام لائے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نعت کو بھی اصلاح سے نوازا بلکہ ایسی اصلاح فرمائی کہ نعت کا عروضی وزن بھی برقرار رہا اور معنویت میں بھی جمال کا اضافہ ہو گیا۔ حضرت کعب بن زہیر نے کہا تھا:

وَ اِنَّہٗ لَنَارٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ

وَسَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ الْھِنْدِ مَسْلُوْلُ

آپ اس آگ کی طرح ہیں جس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آپ ہندوستان کی عمدہ تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آگ سے تشبیہ اس لئے دی کہ عرب کے امراء اور شرفاء رات کے وقت اپنے گھر کے باہر اونچی جگہ آگ جلانے کا اہتمام کیا کرتے تھے تاکہ رات کی تاریکی میں بھٹکتا ہوا کوئی مسافر آگ دیکھے تو سمجھ لے کہ یہاں ایسا گھر موجود ہے جس میں رات بھی بسر کی جاسکتی ہے اور کھانا بھی کھایا جاسکتا ہے، یوں آگ کا الاؤ راہنمائی کا کام دیتا تھا۔ اور ہندوستانی تلوار زمانۂ اسلام سے قبل ہی اپنی مضبوط کاٹ اور تیزی کے حوالے سے مشہور تھی، یوں آگ سے تشبیہ میں سخاوت اور ہندی تلوار سے تشبیہ میں جرأت اور بہادری کا اظہار مقصود تھا، یہ معانی اگرچہ اپنی جگہ درست تھے تاہم یہ تشبیہ مقامِ نبوت کے مناسب نہ تھی، اس لئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شعر کی ایسی اصلاح فرمائی کہ اسے زمین سے اٹھا کر آسمان کی رفعتوں سے آشنا فرمادیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کعب بن زہیر! تم اپنے شعر کو یوں تبدیل کردو:

وَاِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ

وَسَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللہِ مَسْلُوْلُ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے نور ہیں جس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک شمشیر بے نیام ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ

اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ رسالت میں یوں استشفاع اور استغاثہ پیش کرتے ہیں:

خوار و بیمار خطاوار گنہگار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بیکسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں		تکتا ہے بیکسی میں تیری راہ لے خبر
مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا		تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ لے خبر

خدائے قہار ہے غضب پر، کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچالو آکر شفیعِ محشر، تمہارا بندہ عذاب میں ہے
کریم اپنے کرم کا صدقہ، لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

آپ درگاہِ خدا میں ہیں وجیہہ　　ہاں شفاعت بالوجاہت کیجئے
حق تمہیں فرماچکا اپنا حبیب　　اب شفاعت بالمحبت کیجئے
اذن کب کا مل چکا اب تو حضور　　ہم غریبوں کی شفاعت کیجئے
ہم تمہارے ہو کے کس کے پاس جائیں　　صدقہ شہزادوں کا رحمت کیجئے

ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں

کیجئے رضا کو حشر میں خنداں مثالِ گل

فقیر حقیر پراز تقصیر بھی شہنشاہِ دو عالم سرورِ کونین رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں دست بستہ عرض پرداز ہے:

اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ یَارَسُوْلَ اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

نگاہِ لطف وکرم کے امیدوار ہم بھی ہیں

لئے ہوئے یہ دلِ بیقرار ہم بھی ہیں

اپنے دامانِ شفاعت میں چھپائے رکھنا

میرے سرکار میری بات بنائے رکھنا

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

امیدوار وطلبگارِ شفاعت

سید اشتیاق حسین شاہ گیلانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آغاز متنِ کتاب

وحیدِ زماں علامہ دوراں شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن شیخ شہاب الدین عبدالحلیم بن شیخ علامہ مجد الدین عبدالسلام بن تیمیہ کہتے ہیں:

یہ کتاب ان برادرانِ اسلام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں جو اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرتے ہیں اور ان ایمان والوں کو (بھی) دوست رکھتے ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست رکھتے ہیں (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہیں) اور بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔

وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول بھی ان سے محبت رکھتا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبیوں اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے تعلق رکھنے والوں کے حقوق کو بھی پہچانتے ہیں جنھیں اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے متعین ومقرر فرما دیا ہے۔ اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واطاعت یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت واطاعت ہے، یونہی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیاروں اور محبوبوں کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے، ان کی اطاعت بھی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت

ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (۱)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کریم کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر، یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ عَصٰى اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ۔ (۲)

جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، جسے حضور مولائے کائنات امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۃ النساء آیت نمبر 59

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجہاد باب ۱۰۹۔ کتاب الاعتصام باب ۲، کتاب الاحکام باب ۱۔ صحیح مسلم، کتاب الامارہ حدیث ۳۲۔ سنن نسائی کتاب البیعۃ باب ۲۷۔ سنن ابن ماجہ فی المقدمہ باب ۱، کتاب الجہاد باب ۳۹۔ مسند امام احمد ج ۲ ص ۹۳ وغیرہ۔

"اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ"(۱)

اطاعت صرف نیکی اور معروف چیز میں ہے۔

نیز فرمایا: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔(۲)

خالق کی معصیت و نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

(یعنی کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں ہے جس سے خالق کی نافرمانی لازم آئے)

برادرانِ اسلام: تم پر سلام ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ ہم تمہارے سامنے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی حمد وثناء کا اہل و مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (جو چاہے کرسکتا ہے)۔

اور ہم حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ بے کس پناہ میں کثرت کے ساتھ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں جو متقین کے امام، آخری نبی (امام المتقین وخاتم النبیین) اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندۂ خاص اور اس کے رسول ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاحکام باب ۴، فی الآحاد باب ۱، وفی المغازی باب ۵۹، صحیح مسلم کتاب الامارہ حدیث ۳۹، ۴۰، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۸۷، سنن نسائی فی البیعۃ باب ۳۴، مسند امام احمد ج ۱ ص ۸۲، ۹۳، ۱۲۴، اور امام سیوطی نے جامع صغیر (حدیث رقم ۹۹۰۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) مسند امام احمد، مستدرک امام حاکم نے عمران بن الحصین سے روایت کیا ہے۔ ہیثمی اسے مجمع الزوائد میں لائے اور کہا مسند امام احمد میں اس حدیث کے راوی وہی ہیں جو صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ امام بغوی نے اسے نواس سے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، "لَا طَاعَةَ لِبَشَرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ"، صحیحین (بخاری، مسلم) میں اس حدیث کے شواہد بھی موجود ہیں اور امام سیوطی نے اسے جامع صغیر میں بیان کیا اور صحیح کہا ہے۔

اُمتِ مسلمہ کا مرکز اتحاد و وحدت...... کتاب وسنت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب وحکمت (قرآن وسنت) کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو (ہر قسم کی گمراہی کے) اندھیروں اور تاریکیوں سے نکال کر (ہدایت وعرفان کے) نور اور روشنی کی طرف لائیں، ان کے رب کے اذن سے (یعنی) عزیز وحمید کے راستہ کی طرف (نکال لائیں).

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ (۱)

یقینا بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انھیں میں سے، پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انھیں اور سکھاتا ہے انھیں قرآن اور سنت یقینا اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

نیز فرمایا:

......وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ط......(۲)

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل فرمایا تم پر قرآن اور حکمت، وہ نصیحت فرماتا ہے تمھیں اس سے۔

اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین سے فرمایا:

(۱) سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴ (۲) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۱

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط..... (۱)

اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمھارے گھروں میں۔

ازواجِ مطہرات کے گھروں میں کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں پڑھ کر سنانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کتاب اللہ تو قرآن مجید ہے اور حکمت وہ ہے جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے کلام میں بیان فرماتے جس سے مراد آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے۔ پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید بھی سیکھیں اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔ (کتاب وسنت دونوں کی تعلیم حاصل کریں اور دونوں پر عمل کریں)۔

حدیث مشہور میں ہے، جسے امام ترمذی وغیرہ نے حضور مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ، فَقُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَأُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، وَهُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ، وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ، وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَلٰى كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ....مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (۲)

عنقریب فتنے ہوں گے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک و

(۱) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۴

(۲) جامع ترمذی شریف، ثواب القرآن باب ۱۴، مسند دارمی، کتاب فضائل القرآن باب ۱۔ مسند امام احمد، ۱۱۱۹

آلک وسلم)! ان سے رہائی کی سبیل اور بچ نکلنے کا طریقہ کیا ہے؟

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کتاب اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید جس میں تمھارے پہلوں کی بھی خبریں ہیں اور تمھارے پچھلوں کی بھی، اس میں تمھارے درمیان (باہمی اختلافات ومسائل) کا فیصلہ بھی موجود ہے، کیونکہ یہ قرآن مجید فیصلہ کن ہے، ہنسی مذاق اور غیر درست نہیں، جو ظالم اسے چھوڑ دے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ٹکڑے اڑا دے گا اور اُسے برباد کردے گا اور جو اس کے سوا (کہیں اور) ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کردے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور حکمت والا ذکر ہے۔ سیدھا راستہ ہے۔ قرآن وہ ہے جس کی برکت سے خیالات بگڑتے نہیں اور جس سے دوسری زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں (مخلوق کا کلام خالق کے کلام سے خلط ملط اور مشتبہ نہیں ہوتا۔ یا یہ کلام مسلمانوں کی زبان پر گراں نہیں گذرتا، آسانی سے پڑھ لیا جاتا بلکہ حفظ کرلیا جاتا ہے)۔ علما اس سے سیر نہیں ہوتے، جو زیادہ دہرانے سے پرانا نہیں پڑتا (عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتا ہے) جس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ جو قرآن کا قائل ہو وہ سچا ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا ثواب پائیگا جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا، منصف وعادل ہوگا اور جو اس کی طرف بلائے گا وہ سیدھے راستے کی طرف بلائے گا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

{وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ص...} (۱)

اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا۔

نیز فرمایا:

---

(۱) سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ.....(۱)

بے شک جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور ہو گئے کئی گروہ (اے محبوب صلی اللہ علیک وآلک وسلم) نہیں ہے آپ کا ان سے کوئی علاقہ۔

پس گروہوں اور فرقوں میں بٹ جانیوالوں کی مذمت فرمائی اور اتفاق کرنیوالوں اور اللہ کی رسی کو باہم مل کر مضبوطی سے تھامنے والوں کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی۔ اللہ کی رسی جو اُس کی کتاب (قرآن مجید) ہے وہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھی ایک ہی جماعت قرار دیتی ہے جس طرح کہ پروردگارِ عالم کا ارشادِ گرامی ہے:

وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ ۞ (۲)

اور ان کی جماعت میں سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) بھی ہیں۔

اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد) سب نبیوں کے امام ہیں جس طرح کہ رب العالمین جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ۞ (۳)

اور یاد کرو جب آزمایا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انھیں پورے طور پر بجالایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں بنانے والا ہوں تمھیں تمام انسانوں کا پیشوا، عرض کی میری اولاد سے بھی، فرمایا: نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک۔

---

(۱) سورہ انعام آیت نمبر ۱۵۹ (۲) سورۃ الصافات آیت نمبر ۸۳

(۳) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۲۴

نیز فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا ط وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۞ (۱)

بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک امام (مرد کامل) تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار و مطیع تھے۔ اور سب سے جدا (یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے) اور وہ (بالکل) مشرکوں میں سے نہ تھے۔

یہاں تک کہ فرمایا:

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۞ (۲)

پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب علیہ السلام) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے کہ جب وہ صبح کریں تو یوں کہا کریں:

اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَ کَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَ دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ وَ مِلَّةِ اَبِیْنَا اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (۳)

ہم نے صبح کی فطرتِ اسلام پر، کلمہ اخلاص، اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر جو ہر گمراہی سے الگ تھلگ رہنے والے مسلمان تھے اور شرک کرنیوالوں میں سے نہیں تھے۔

---

(۱) سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۰ (۲) سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۳

(۳) مسند دارمی، کتاب الاستئذان، باب ۵۴۔ سنن نسائی، کتاب السہو، باب ۶۲ مسند امام احمد ج ۱ ص ۴، اور صفحات متعددہ پر۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ فَلَا اُلْفِیَنَّ رَجُلًا شَبْعَانَ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ۔ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ھٰذَا الْقُرْآن، فَمَا وَجَدْنَا فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ حَلَّلْنَاہُ، وَمَا وَجَدْنَا فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاہُ، اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ۔ (۱)

آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے کتاب بھی دی گئی ہے اور اسکے ساتھ اس کی مثل بھی۔ (فرمایا) میں کسی ایسے آدمی کو نہ پاؤں جو پیٹ بھرا اپنے تخت پر تکیہ لگائے کہہ رہا ہو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان یہ قرآن ہے پس جسے ہم قرآن مجید میں حلال پائیں گے اُسے حلال کریں گے اور جسے اس میں حرام پائیں گے اُسے حرام قرار دیں گے۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: خبردار! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اسکے ساتھ اس کا مثل بھی (حکمت وسنت)۔

یہ حدیث پاک کتاب اللہ (قرآن مجید) کے عین مطابق و موافق ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کتاب وحکمت کی تلاوت فرماتے۔ اور یہ حکمت وہی ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب کے ساتھ عطا فرمائی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں ہمیں اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم فرمایا ہے، تفریق واختلاف سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہم ایک ہی جماعت ہو کر رہیں متفرق گروہوں میں نہ بٹ جائیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ج فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی

---

(۱) سنن ابن ماجہ فی المقدمہ باب ۲۔ ترمذی کتاب العلم باب ۱۰۔ مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۳۲۔

الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۱)

اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرادو ان کے درمیان عدل وانصاف سے اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ بیشک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ پس صلح کرادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

پس اللہ رب العالمین جل مجدہٗ نے مومنین کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا ہے اور (باہمی) قتال وبغاوت کے باوجود ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ صلح واصلاح کا حکم فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّھِمْ وَ تَرَاحُمِھِمْ وَ تَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ، اِذَا اشْتَکٰی مِنْہُ عُضْوٌ تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰی وَالسَّھَرِ۔ (۲)

ایک دوسرے سے محبت کرنے، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک جسم ہو، جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑ

---

(۱) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۹، ۱۰

(۲) صحیح بخاری کتاب الادب باب ۲۷۔ صحیح مسلم کتاب البر حدیث ۶۶، ۶۷۔ مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۶۸۔ امام سیوطی جامع صغیر میں لائے۔ (حدیث نمبر 8155) اور اس کی نسبت امام احمد اور امام مسلم کی طرف کی ہے اور بتایا ہے کہ مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیز امام سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیدار رہتا ہے۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔

وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (۱)

کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت (دیوار) کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔ پھر آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی مبارک انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرمایا۔

ثابت ہوا کہ کتاب وسنت ہی اسلام کی اساس، اصل اور بنیاد ہے اور یہی امت مسلمہ کا مرکز اتحاد ووحدت ہے۔

لہٰذا تمام مومنین اور جملہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ کتاب وسنت کے ساتھ تمسک رکھیں اور باھم مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب۔۸۸، کتاب الادب باب ۳۶، وفی المظالم باب ۵۔ صحیح مسلم کتاب البر، حدیث ۶۵۔ ترمذی فی البر باب ۱۸۔ نسائی کتاب الزکوۃ باب ۶۷۔ مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۰۴، ۴۰۵، ۴۰۹، سیوطی اسے جامع صغیر میں لائے، حدیث رقم ۹۱۴۳ اور شیخین (بخاری، مسلم) ترمذی اور نسائی کی طرف اس کی نسبت کرنے کے بعد اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ دیا ہے۔

اہل بیت اور ان کے خصائص

مَن ھُم اَھل البیت؟ اہلِ بیت ہیں کون؟

اس میں شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سابقین اولین (سب سے سبقت لے جانے والوں اور سب سے پہلے ایمان لانے والوں) اور عمدگی اور خوبی کے ساتھ ان کی اتباع وپیروی کرنیوالوں، خلفاء رسول علیہ السلام اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و حرمت اور تعظیم واحترام کو واجب قرار دیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ (۱)

اے نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (وآسائش) کی خواہاں ہو تو آؤ تمھیں مال ومتاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کیلئے جو تم میں سے نیکوکار ہیں اجر عظیم۔ (۲)

(۱) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۸، ۲۹۔

(۲) چنانچہ حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی کے مطابق ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو انہوں نے اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دارِ آخرت کو اختیار و پسند فرمالیا۔ لہٰذا ازواج مطہرات امہات المومنین کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے۔ (مترجم)

امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی وغیرہما نے حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب (اسی سیاق وسباق کے درمیان) یہ آیت آیۃ تطہیر،

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۞ (۱)

اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی علیہ السلام کے گھر والو! تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔

نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمہ الزہراء، سیدنا امام حسن مجتبیٰ اور سیدنا امام حسین (شہید کربلا) رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اپنی چادر مبارک ڈالی اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ فَاذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔(۲)

اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس (ہر ناپاکی) کو دور فرمادے اور ان کو خوب پاک فرمادے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ اور طریقہ مبارکہ ہے کہ آپ کتاب اللہ کی تفسیر و وضاحت فرماتے اور اس کی تعبیر و مراد کی طرف رہنمائی فرماتے اور اس کا واضح بیان فرماتے ہیں۔ پس جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ھولاء اھل بیتی'' کہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اسکے باوجود کہ سیاقِ قرآن دلالت کررہا ہے کہ خطاب تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات سے ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دلالتِ قرآن کے پیشِ نظر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اگرچہ اہلِ بیت میں داخل وشامل ہیں، تاہم یہ مقدس ہستیاں

---

(۱) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۳

(۲) ترمذی کتاب المناقب باب ۶۰، مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۳۱۔ ج ۳ ص ۲۵۹، ۲۸۵، ج ۶ ص ۲۹۲، ۲۹۸، ۳۰۴

(حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمہ الزہراء، شہزادگان رسول سیدنا امام حسن مجتبیٰ وسیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہم اجمعین) اہل بیت ہونے کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ نسبی وخونی رشتہ، نکاحی وسسرالی رشتہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔

اور اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اس طرح کا کلام اختصاص بالکمال (کمال کے ساتھ خاص کرنے) کیلئے بولا کرتے ہیں، اختصاص باصل الحکم (اصل حکم کے ساتھ خاص کرنے کے لئے) اس طرح کا کلام استعمال نہیں کرتے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی ہے، فرمایا:

لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ بِالطَّوَافِ الَّذِيْ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَ اِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ، وَ لَا يُتَفَطَّنُ لَهُ فَيَتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ (۱)

مسکین وہ نہیں جو (لوگوں میں) گھومتا رہتا ہے اور ایک یا دو لقمے یا ایک دو کھجوریں لے کر چلا جاتا ہے۔ (دراصل) مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے اس کی ضروریات سے مستغنی (بے نیاز) کردے اور نہ ہی اس کے آثار سے مسکینی (فقر) کا پتہ چلے کہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ ہی وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال کرتا ہو۔

اس فرمان کے ساتھ ظاہر فرمایا کہ کمال مسکنت (مسکینی وفقیری کا کمال) یہ ہے کہ ضروریات سے فارغ البال کرنے والا مال بھی پاس نہ ہو مگر آثار سے بھی ظاہر نہ ہو اور لوگوں سے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ رقم ۲، کتاب الزکوۃ باب ۵۳، سنن ابی داؤد کتاب الزکوۃ باب ۲۴، سنن نسائی کتاب الزکوۃ باب ۷۶، مسند دارمی کتاب الزکوۃ باب ۲، مؤطا امام مالک کتاب صفۃ النبی حدیث ۷، مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۸۴، ۴۴۶، ج ۲ ص ۲۶۰، ۳۱۶، ۳۹۳، ۳۹۵، ۴۴۹، ۴۵۷، ۴۶۹۔ اور امام سیوطی جامع صغیر میں لائے (حدیث نمبر ۷۵۸۵) بخاری مسلم، ابوداؤد، نسائی اور امام احمد کی طرف نسبت کی اور اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا۔

سوال بھی نہ ہو لہذا یہ فرمان کمالِ مسکنت کے ساتھ خاص ہے بخلاف لوگوں میں گھومنے اور چکر لگانے کے کیونکہ اس میں کمال مسکنت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ کبھی تو اُسے (لوگوں میں گھومنے اور چکر لگانے والے کو) ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تو وہ بھی دے دیتا ہے جو خود بھی فقیر و مسکین اور حاجت مند ہوتا ہے۔

یونہی کہا جاتا ہے کہ ھٰذَا ھُوَ الْعَالِمُ ھٰذَا ھُوَ الْعَدُوُّ وَ ھٰذَا ھُوَ الْمُسْلِمُ۔ کہ یہی عالم ہے اور یہی دشمن ہے اور یہی مسلمان ہے۔ اس طرح کا کلام ان کے لئے ہوتا ہے جن میں یہ صفات کامل طور پر پائی جاتی ہیں اگرچہ دوسرے لوگ بھی ان صفات میں شریک ہوں مگر ان میں یہ صفات کم درجہ میں پائی جاتی ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جب آیت تطہیر (انما یرید اللہ الخ) نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ کائنات خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء، سیدنا امام حسن مجتبیٰ اور سیدنا امام حسین شہید کربلا سلام اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بلایا اور اُن پر اپنی چادر مبارک ڈال کر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ۔ اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت۔

چونکہ یہ اندازِ بیان اور اُسلوبِ کلام، اختصاص بالکمال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، لہذا معنی یہ بن گئے کہ علی وجہ الکمال اھل بیت ہونا انھی نفوس قدسیہ پر صادق آتا ہے۔

آیت تطہیر کے سیاق وسباق میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر چل رہا ہے جبکہ آیت تطہیر میں (علی وجہ الکمال) اھل بیت سے ان نفوس قدسیہ کو لیا جا رہا ہے۔ اس کی نظیر و مثال اس حدیث میں بھی موجود ہے، جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَسْجِدِیْ ھٰذَا'' میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی) حالانکہ مسجد ضرار (۱) کے متعلق حکم الٰہی میں سیاقِ قرآن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے

(۱) سورۃ التوبہ میں فرمانِ خداوندی ہے:

مراد مسجد قباء ہو۔

....

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا م بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞

[التوبہ ۱۰۷:۹]

اور وہ لوگ جنھوں نے اہل ایمان کو نقصان پہنچانے، کفر کرنے اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالنے اور اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے والے کے لئے کمین گاہ قائم کرنے کی خاطر مسجد بنائی اور وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ مسجد کی تعمیر سے ہمارا مقصد بھلائی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں۔

مدینہ طیبہ کے ایک مشہور قبیلے خزرج کا ایک آدمی ابو عامر تھا حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے اس نے عیسائی مذہب قبول کرلیا اور نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی۔لوگ اس کے بڑے معتقد ہوگئے اور بڑی تعظیم کرنے لگے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ طیبہ میں ایمان وعرفان کا آفتاب چمکا، تو ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہوگیا اور کافروں کے ساتھ جاملا۔اور غزوہ حنین تک سب جنگوں میں کفر کے ساتھ رہا اور ان کا سرغنہ بنا رہا۔حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کرلیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی تو بھاگ کر ملکِ شام قیصر کے پاس چلا گیا۔شام سے اس نے منافقین مدینہ کو لکھا کہ وہ ایک مکان (عمارت) مسجد کے نام سے تعمیر کریں جہاں وہ نماز کے بہانے جمع ہوکر تنہائی میں اسلام کے خلاف آزادی سے ہر قسم کی سازشیں کرسکیں۔تاکہ اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا ہو۔

چنانچہ قباء کی بستی میں مسجد قباء کے قریب ہی انہوں نے ایک مسجد بنائی۔اس مسجد کی تعمیر کا مقصد رضائے خداوندی نہیں بلکہ اس کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو نقصان پہچایا جائے اس میں بیٹھ کر کفر کو فروغ دینے کی تجویزیں سوچی جائیں اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کیا جائے۔نیز اس کی ایک ناپاک غرض یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ابو عامر آئے تو اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرے۔

چنانچہ اس عمارت کو مسجد کا نام دینے کے بعد وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لئے کہنے لگے: یارسول اللہ! قبا کی بستی میں ایک ہی مسجد تھی رات کے اندھیرے اور برسات کے موسم میں بوڑھوں، بیماروں اور کمزوروں کو وہاں جانے میں بڑی دقت ہوتی

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ط لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۞ (۱)

آپ نہ کھڑے ہوں اس میں (یعنی مسجد ضرار میں) کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے، وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔

اور تواتر سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قباء سے فرمایا:

تھی اس لئے ہم نے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ (علیہ السلام) ایک مرتبہ اس میں نماز ادا فرمادیں تاکہ وہ بابرکت ہو جائے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کو دیکھ کر سادہ لوح مسلمان بھی ان کے پاس آیا کریں گے اور وہ انھیں منافقانہ چالوں اور مکروفریب سے اپنے جال میں پھنسالیں گے۔

ایسی عمارت کو ظاہر داری کی وجہ سے گو مسجد کہا جائے حقیقت میں تو یہ وہ ناپاک اور منحوس مکان ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے تاکہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو اس میں جانے سے منع فرمادیا اور اس کا نام مسجد ضرار رکھا۔

وَلَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔

سورۃ التوبہ کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں تو حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چند مسلمانوں کو حکم دے کر بھیجا کہ اس مسجد کو جا کر پیوند خاک کردیں اور اسے آگ لگادیں۔ چنانچہ فرمانِ نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے اسے گرادیا گیا اور آگ لگا کر جلادیا گیا۔

آج بھی اگر کسی عمارت کو مسجد کا نام دیا گیا ہو مگر اس کے مقاصد وہی ہوں جو منافقین کی اس عمارت ''مسجد ضرار'' کے تھے تو وہ ''مسجد ضرار'' کے حکم میں ہی ہوگی۔

---

(۱) سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۸

مَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِیْ اَثْنَی اللّٰهُ عَلَیْکُمْ بِهٖ؟ فَقَالُوْا اِلَّا اَنَّنَا نَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ (۱)

وہ نظافت وطہارت اور پاکیزگی کیا ہے؟ جس کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری مدح وتعریف بیان فرمائی ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا: اس لئے کہ ہم قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔

لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد (مسجد نبوی شریف) مسجد قباء کی نسبت اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ اگرچہ ان دونوں مسجدوں (مسجد نبوی شریف اور مسجد قباء میں سے ہر ایک) کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد (مسجدِ نبوی شریف) اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ مسجد قباء کی نسبت اس کی بنیاد تقویٰ پر ہو۔ اور مسجد ضرار کے بجائے آپ کی مسجد ہی اس بات کی حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ہر ہفتہ کے دن کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل چل کر قباء شریف تشریف لے جاتے۔ پس جمعہ کے دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مسجد (مسجد نبوی شریف) میں کھڑے ہوتے، قیام فرماتے اور خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے۔ پھر ہفتہ کے دن آپ مسجد قباء شریف میں تشریف لے جاتے اور وہاں کھڑے ہوتے اور قیام فرماتے۔ (۲)

اور ان دونوں مسجدوں میں سے ہر ایک مسجد میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام اسی مسجد میں قیام ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ الغرض قرآن مجید میں سیاق کلام اگرچہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ مسجد ''اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ'' جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، وہ مسجد قباء ہے مگر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ذیشان کے مطابق

---

(۱) مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۲۲، ج ۶ ص ۶۔ سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ۲۸۔

(۲) صحیح بخاری، فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ باب ۳، ۶۔ کتاب الاعتصام باب ۱۶، صحیح مسلم کتاب الحج حدیث نمبر ۵۱۵، ۵۱۹، ۵۲۱، سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب ۹۵، سنن نسائی کتاب المساجد باب ۹۔ مؤطا امام مالک کتاب السفر حدیث ۱۷، مسند امام احمد ج ۲ ص ۵، ۳۰، ۵۷، ۵۸، ۶۵، ۷۲، ۸۰، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۵۵

آپ کی مسجد (مسجد نبوی شریف) اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اس کی بنیاد اول دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے۔ اسی طرح اگرچہ آیت تطہیر کے سیاق وسباق میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین کا ذکر ہے۔ تاھم سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کے مطابق یہ نفوس قدسیہ، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، سیّدہ کائنات سیّدہ فاطمہ الزہراء، حضرت سیّدنا امام حسن مجتبیٰ اور حضرت سیّدنا امام حسین شہید کربلا علیہم السلام اھل بیت ہونے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (کیونکہ نسبی اور خونی رشتہ، نکاحی وسسرالی رشتہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوتا ہے)

حاصل کلام:

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں (اہل بیت اطہار) سے رجس کو دور فرما دینے اور انھیں خوب پاک فرما دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں سے سب سے زیادہ قرب رکھنے والوں (قریبیوں) اوران میں سے سب سے زیادہ اور کمال اختصاص رکھنے والے (اہل بیت) کو بلایا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ اور وہ (درج ذیل مقدس وپاکیزہ ہستیاں ہیں) حضرت علی المرتضیٰ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء اور جنتی جوانوں کے دونوں سردار سیدنا امام حسن مجتبیٰ اور سیدنا امام حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لئے دونوں شرف جمع فرما دیئے کہ اپنے ارادے اور اپنی مرضی سے ان کے لئے تطہیر کا فیصلہ فرمایا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے کمال و اختصاص بخشا۔ اس سے ہمیں رہنمائی ملی کہ اہل بیت سے رجس کا دور فرمانا اور انھیں خوب پاک فرما دینا اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی اور عظیم نعمت ہے۔

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ وفضل عمیم سے ان پر اس نعمت کی تکمیل فرمائی۔ اس کے حصول میں محض ان کی ہمت وقوت کو دخل نہ تھا یعنی اذہاب رجس اور تطہیر ان کے

لئے ایک عظیم نعمت ہے اور رحمت و فضل الٰہی کا نتیجہ ہے ان کے اپنے عمل کا نتیجہ نہیں وہ اسے محض اپنی ہمت و قوت سے حاصل نہیں کر سکتے تھے اس لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے۔ اور چونکہ یہ تطہیر ان اہل بیت کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس میں اُن کے اپنے عمل اور ہمت و قوت کو دخل نہیں بایں طور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے انھیں کمال واختصاص عطا فرمایا اور ان پر اپنی اس عظیم نعمت کی تکمیل فرمائی۔

نیز نقل صحیح سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب یہ آیات (صفحہ ۱۳۹ پر آیات درج ہیں، سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۸، ۲۹) نازل ہوئیں تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان آیات کو اپنی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کے سامنے پڑھا۔ اور حکم الٰہی کے مطابق انہیں اختیار دیا۔ پس انھوں نے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار و پسند فرمالیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے نکاح میں برقرار رکھا اور اپنے وصال فرمانے تک طلاق نہیں دی۔

اور اگر ازواجِ مطہرات دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت اور آرائش و آسائش کو پسند کرتیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے حکم کے مطابق انہیں مال و متاع دے کر رخصت فرما دیتے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حدود اللہ کے سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے بڑھ کر خشیتِ الٰہی رکھنے والے ہیں۔ چونکہ یہ آیات (سورۃ الاحزاب کی مذکورہ بالا آیات نمبر ۲۸، ۲۹ نیز آیت نمبر ۳۰، ۳۱) اجر و ثواب اور گناہ و عذاب کے دوگنا ہونے پر دلالت کرتی ہیں بایں وجہ حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین وقرۃ عین الاسلام (عبادت گذاروں کی زینت اور تمام اہلِ اسلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک) کا یہ فرمان ہم تک پہنچا، کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے محسن (نیکی کرنے والے) کو دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور ڈرتا ہوں اس بات سے کہ برائی کرنے والے پر دوگنا بوجھ و گناہ ڈالے گا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّهٗ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بِغَدِيْرٍ يُدْعٰى "خُمًّا" بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ: وَ اَهْلُ بَيْتِيْ، اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ،

اُذَکِّرُکُمُ اللہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ" قِیْلَ لِزَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ وَ مَنْ اَھْلُ بَیْتِہٖ؟ قَالَ :اَلَّذِیْنَ حُرِمُوا الصَّدَقَہ :اٰلُ عَلِیٍّ وَ اٰلُ جَعْفَرٍ وَ اٰلُ عَقِیْلٍ وَ اٰلُ عَبَّاسٍ. قِیْلَ لِزَیْدٍ: أَکُلُّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِہٖ؟ قَالَ :نَعَمْ -(۱)

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ''غدیر خم'' کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اور میرے اہلِ بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ اے زید: آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام کیا گیا ہے اور وہ آل علی، آلِ جعفر، آل عقیل اور آل عباس ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ سب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ بیت ہیں؟ تو فرمایا: ہاں۔

صحیح طرق واسناد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۞ (۲)

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب ومحبت سے) سلام عرض کیا کرو۔

(۱) صحیح مسلم دارمی فضائل القرآن باب ۱، مسند امام احمد ج ۲ ص ۱۱۴، ج ۴ ص ۳۶۷، ترمذی، نسائی، حاکم فی المستدرک، اور حدیث صحیح ہے۔

(۲) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۶

توصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم) ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھا کریں؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یوں کہا کرو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ۔

اے اللہ درود نازل فرما ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر جس طرح تو نے درود نازل فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور آپ کی آل پر بے شک تو ہی تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔

اور ایک حدیث صحیح میں الفاظ یوں آئے ہیں:

حاصل کلام:۔ پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ اھل بیت کے کئی طبقات اور اقسام ہیں

(۱) امہات المؤمنین، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اھل بیت میں داخل و شامل ہیں اور انھیں اھل بیت سبب یا اھل بیت مسکن کہا جاتا ہے۔ وہ رشتے جو نکاح کے سبب گھر میں آباد ہوتے اور اھل بیت میں شامل ہوتے ہیں یعنی بیویاں۔

(۲) اور بنو ہاشم (آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس) جن پر صدقہ حرام کیا گیا ہے، وہ اھل بیت نسب ہیں، یعنی جو باپ دادا کی وجہ سے رشتہ دار ہوتے اور نسب میں آتے ہیں۔ مثلاً چچا پھوپھی وغیرہ

(۳) نیز وہ خدام جنھیں ممتازانہ لزوم و تعلق ہوتا ہے اس بنا پر کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے گھر کا ہی آدمی ہے، اھل بیت خدمت کہلاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ کی نسبت وارد ہے کہ سلمان منا اھل بیت۔ یعنی سلمان ہم سے یعنی اھل بیت سے ہے۔

(۴) اور بیٹے، بیٹیاں اور آگے اُن کی اولاد، جو گھر میں پیدا ہوتے ہیں اور جن سے نسل چلتی ہے، انھیں اھل بیت ولادت کہتے ہیں۔ تاھم آیت تطہیر میں الفاظ 'اھل بیت' سے مراد بحسب کثرتِ روایات اور انداز و اُسلوبِ کلام آل کساء یعنی حضور مولائے کائنات سیّدنا علی المرتضیٰ، سیّدہ کائنات خاتون جنت سیّدہ فاطمہ الزہراء، سیّدنا امام حسن مجتبیٰ اور سیّدنا امام حسین شہید کربلا علیہم السلام ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ۔ (۱)

اے اللہ! درود بھیج ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی ازواج اور اولاد پر۔

اہل بیت اطہار کے لئے کیا روا ہے اور کیا نہیں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ کے بیٹے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اپنے منہ مبارک میں ڈال لی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا:

کَخ کَخ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّا آلُ بَیْتٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَۃُ۔ (۲)

اخ، اخ، تھو، تھو (تا کہ وہ اسے تھوک دیں) کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اہل بیت کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔

نیز فرمایا: وَ قَالَ: اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَ سَلَّم۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری، تفسیر سورۃ رقم ۳۳، کتاب الانبیاء باب ۱۰، کتاب الدعوات باب ۳۱، ۳۲۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۶۵، ۶۶، ۶۹۔ ترمذی، تفسیر سورہ رقم ۳۳ الوتر باب ۲، سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷۹، سنن نسائی کتاب السہو باب ۴۹، ۵۰، ۵۴، مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ باب ۸۵، موطا امام مالک کتاب السفر حدیث رقم ۶۶، ۶۷۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۶۲، ج ۳ ص ۴۷۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ۶۰، کتاب الجہاد باب ۱۸۸، مسند دارمی کتاب الزکوٰۃ باب ۱۶، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۹، ۴۴۴، ۴۷۶، امام سیوطی اسے جامع صغیر حدیث رقم ۶۲۲۶ میں لائے اور شیخین (بخاری ومسلم) کی طرف نسبت کی جنھوں نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۳) مسند دارمی کتاب الزکوٰۃ باب ۱۶۔ سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ باب ۹۸ فی الترجمہ۔ موطا امام مالک، کتاب الصدقہ حدیث ۱۳، مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۷۹۔

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کیلئے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے، یہ اس تطہیر کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت اطہار کو عطا فرمارکھی ہے۔ کیونکہ صدقات لوگوں کے (مالوں کے) میل کچیل ہوتے ہیں لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اس میل کچیل سے پاک فرمادیا ہے اور اس کے عوض اور بدلے میں ان کے لئے اموال غنیمت کا خُمس (پانچواں حصہ) بطور رزق مقرر فرمایا ہے اور اموالِ فئی میں ان کا حصہ رکھا ہے (۱) جسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنا رزق بتلایا ہے جیسا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے جسے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

فرمایا:- بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ، حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَجُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (۲)

مجھے قیامت تک تلوار کے ساتھ (جہاد کا حکم دے کر) بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے جو وحدہٗ لاشریک ہے یعنی اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

اور میرا رزق میرے نیزوں کے سایہ تلے ہے اور جو میرے حکم کی مخالفت کرے گا اس

---

(۱) اموال غنیمت اور اموال فئی:

کفار کو میدان جنگ میں شکست دینے کے بعد ان کے املاک واموال پر قبضہ کرنے کی صورت میں جو املاک واموال مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں انھیں اموال غنیمت کہا جاتا ہے۔

اور بغیر لڑے کفار ہار مان لیں اور مسلمان ان کے علاقوں کے مالک بن جائیں تو اس صورت میں حاصل ہونے والے املاک واموال کو اموال فئی کہتے ہیں۔ (مترجم)

(۲) مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۰، ۹۲۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ۸۸ تعلیقاً۔ امام سیوطی جامع صغیر میں لائے (حدیث رقم ۳۱۵۲) اور اسے نسبت کیا امام احمد، طبرانی امام عبدالرزاق کی طرف جنھوں نے اسے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور امام مناوی نے شرح جامع صغیر میں اس کی نسبت ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور بیہقی کی طرف کی اور بتایا کہ امام بیہقی اسے شعب الایمان میں لائے۔ امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں ذکر کیا۔

پر ذلت ورسوائی مسلط ہوگی۔اور جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم میں سے ہوگا (انھی میں سے ہوگا)۔

موجودہ حالات میں (صاحب حیثیت) لوگوں کو چاہیے کہ وہ اموالِ صدقہ کے ساتھ (اہل بیت کے سوا) دوسرے حاجت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کا جس قدر اہتمام کرتے ہیں اس سے کہیں بڑھ کر اہل بیت اطہار کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کا اہتمام کیا کریں۔ کیونکہ اہل بیت اطہار پر صدقہ بھی حرام ہے اور اموالِ فئی و اَموال غنیمت کے خمس کا حصول بھی ان کے لئے مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا ہے۔

جس کی وجہ یا تو اموالِ غنیمت واموال فئی کی قلت (یا عدم) ہے۔ یا پھر جو لوگ ان کے حقوق کے ذمہ دار ہیں وہ ظلماً ان میں سے اہل بیت اطہار کا حصہ روک لیتے اور ان کا حصہ اور حق انھیں ادا نہیں کرتے۔

تو جب اموال غنیمت کے خمس اور اموال فئی سے ان کی ضروریات کو پورا نہیں کیا جاتا تو پھر صدقاتِ واجبہ میں سے بقدر کفایت وضرورت ان کو دیا جانا چاہیے۔(۱)

---

(۱) بعض فقہا کے نزدیک اہل بیت عظام (سادات کرام) کے لئے صدقات واجبہ (زکوٰۃ وغیرہ) کی نہی اور حرمت کی علت انھیں خمس کا ملنا تھا۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حصہ ان کے لئے ساقط ہو گیا تو صدقات کی حرمت بھی ختم ہوگئی۔ (ملخصاً از فتاوی مہریہ ص ۱۹)

مگر جمہور فقہاء احناف کے نزدیک سادات کرام کے لئے صدقات واجبہ (زکوۃ وغیرہ) کی حرمت کی علت ان حضرات عالیہ کی عزت وکرامت اور نظافت وطہارت ہے اور زکوۃ وصدقات مال کا میل اور گناہوں کا دھوون ہے جو اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں۔ (تجلی المشکوۃ از فاضل بریلوی علیہ الرحمہ) اور چونکہ اہل بیت کی نظافت وطہارت قیامت تک کے لئے ہے اس لئے صدقات واجبہ کی حرمت بھی قیامت تک کے لئے ہے۔ اور یوں سادات کرام کے لئے قیامت تک کے لئے صدقات واجبہ (زکوۃ وغیرہ) ناجائز وحرام ہے۔ لہذا مسلمانوں پر لازم وواجب ہے کہ وہ سادات کرام کی خدمت عالیہ میں نذرانے اور ہدیئے پیش کر کے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا ثبوت پیش کریں۔ (فتاوی جماعتیہ ج ۲ ص ۳۰۰)

صِفَاتُ اَھْلِ فَیْئٍ............اموالِ فئی کے حق دار کون

اموالِ فئی میں سے حصہ ذوی القربیٰ وغیرہ ان لوگوں کو ملے گا جن کا بیان اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل فئی کا تذکرہ کرتے یوں فرمایا ہے:

مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ... (۱)

جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے پھر اہل فئی کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں مہاجرین، انصار اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۞ (۲)

جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے۔ (از حد مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مال فئی، مہاجرین وانصار کے ایمان وجہاد اور ان کی ہجرت ونصرت کے سبب ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ان کے بعد آنے والے تو ان کے جانشین اور قائم مقام ہونے کی وجہ سے ہی اس کے حق دار اور حصہ دار بنتے ہیں اور یہ ایسے ہی ہے (مشابہ ہے اس کے) جیسے وارث اپنے باپ کی میراث پاتا ہے۔ مگر جب اسے مورث کے ساتھ قرابت

(۱) سورۃ الحشر آیت نمبر ۷ (۲) سورۃ الحشر آیت نمبر ۱۰

داری اور ولایت حاصل نہ ہو تو وہ میراث کا حق دار نہیں ہوگا جس طرح کہ حدیث پاک میں ارشاد نبوی موجود ہے:

فَلَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ۔ (۱)

مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔

پس جو شخص ان (مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے لئے مغفرت وبخشش کا طلب گار نہیں ہوگا بلکہ ان سے بغض وعداوت رکھنے والا ہوگا وہ اس وصف سے خارج ہوجائے گا جو اہل فئی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جب تک کہ اس کا دل ان (مہاجرین وانصار) کی عظمت وشان کو تسلیم نہ کرے اور اس کی زبان ان کے لئے دعا نہ کرے (وہ اس وصف کا اہل نہیں ہوگا اور مال فئی کا حصہ دار نہیں رہے گا) اور اگر بالفرض ان (مہاجرین وانصار صحابہ کرام) میں سے کسی ایک سے گناہ کا صادر ہونا ثابت ہو جائے تب بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُنکے اس گناہ کو بھی معاف فرمادیتا ہے جس کی کئی صورتیں ہیں: یا تو ان کی عظیم حسنات (نیکیوں) کی برکت سے معاف فرمادیتا ہے۔ یا پھر انھیں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے جس سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یا پھر انہیں کسی ایسی مصیبت وتکلیف میں مبتلا کردیا جاتا ہے جس کے سبب ان کے گناہ کو مٹا دیا جاتا ہے۔ یا پھر ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کو قبول فرماتے ہوئے انکے گناہ کو معاف فرما دیا جاتا ہے۔ نیز ان کے مومن بھائی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت وبخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں تو ان دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

---

(۱) کیونکہ ان دونوں کے درمیان موالات (قرابت ورشتہ داری) ختم ہوجاتی ہے۔ اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی روایت ہے جسے امام احمد نے مسند ج ۵ ص ۲۰۱ اور بخاری مسلم اور چاروں ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے۔ امام سیوطی نے کہا: حدیث صحیح ہے۔

سَبُّ الصَّحَابَةِ حَرَامٌ

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کوسب وشتم کرنا حرام ہے

کتب صحاح میں حضور مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ المکرمہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار مکہ کو خط لکھا اور ایک عورت کو یہ خط دے کر کفار مکہ کی طرف روانہ کیا، جس میں انھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارادہ کی اطلاع اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس راز سے آگاہ کردیا۔

چنانچہ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اس کی خبر دے دی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ جنھوں نے اس عورت کو پکڑ لیا اور اس سے خط لاکر حضور سرکار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں پیش کردیا۔

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب کو بلا کر فرمایا: اے حاطب! یہ کیا؟ اور اس کا باعث کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں جب سے ایمان لایا میں نے کبھی کفر نہیں کیا اور جب سے حضور علیہ السلام کی نیازمندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہیں کی تو اس خط کا باعث بھی کفر واذیت نہیں۔ (یعنی ازروئے کفر یا آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی اذیت کے لئے ایسا نہیں کیا)۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا مگر ان کی قوم میں سے نہیں تھا۔ اور آپ

کے صحابہ میں سے جو مہاجرین صحابہ آپ کے ساتھ ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جوان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے یہ چاہا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تا کہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک و آلک وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں (گردن اُڑادوں) تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمر! حاطب حاضرین بدر میں سے ہے۔ اور تم کیا جانو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یقینا اہل بدر کے تمام حالات سے واقف و آگاہ اور خبر دار ہے (پھر بھی) اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا:

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَکُمۡ۔ جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخشش دیا ہے

چنانچہ اسی واقعہ (حاطب بن ابی بلتعہ والے واقعہ) کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ج یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّکُمۡ .....(۱)

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم

(۱) سورۃ الممتحنہ آیت نمبر ا

ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔

اور صحیح مسلم شریف میں موجود ہے کہ انھی حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا غلام، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں آیا اور شکایت کرتے ہوئے کہنے لگا:

یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حاطب ضرور دوزخ میں داخل ہوگا کیونکہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَذَبْتَ، اِنَّهٗ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَّةَ۔

تم جھوٹ کہتے ہو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا ہے۔

نیز فرمایا: لَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (۱)

جنہوں نے درخت کے نیچے (میری) بیعت کی (بیعتِ رضوان) ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

ملاحظہ فرمایئے:

یہ ہیں وہ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے غزوہ فتح مکہ میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جاسوسی کی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مخفی راز کو فاش کیا جس کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دشمنوں سے چھپا رہے تھے یہاں تک کہ اپنے سب صحابہ کو بھی اس راز سے مطلع و آگاہ نہیں فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ تو سخت ترین اور شدید ترین گناہوں میں سے ہے (سخت اور شدید ترین گناہ ہے) اس کے علاوہ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) صحیح مسلم کے علاوہ امام ترمذی نے بھی اسے ترمذی شریف کتاب المناقب باب ۵۷، ۵۸ وغیرہ میں بیان کیا ہے۔

اپنے غلاموں کے ساتھ بھی برا سلوک کرتے ہیں جبکہ حدیث مرفوع میں موجود ہے:

لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ سَیِّئُ الْمَلَکَةِ۔ (۱)

کہ غلاموں سے برا سلوک کرنے والا ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

بایں ہمہ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ حاضرین بدر و حدیبیہ میں سے ہیں لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں بخش دیا۔ ان کی مغفرت بھی فرمادی اور ان سے راضی بھی ہوا کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔

پس آپ خود فیصلہ کیجئے کہ ان صحابہ کی عظمت وشان کا عالم کیا ہوگا جو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور اپنے ایمان و علم اور ہجرت و جہاد کے اعتبار سے بھی ان سے بلند و بالا مرتبہ کے حامل ہیں نیز ان میں سے کسی نے ان کے جیسے گناہ کا ارتکاب بھی نہیں کیا۔

پھر حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس حدیث کو بیان کیا۔ اور آپ کے کاتب حضرت عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو آپ سے روایت کیا جس میں آپ نے خبر دی کہ وہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس مسافرہ عورت سے خط طلب کرنے کے لئے گئے۔

حضرت امیر المومنین نے تمام واقعہ سے آگاہ ہونے کے باوجود یہ بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بدر کے لئے مغفرت و بخشش اور رضوان من اللہ اللہ تعالیٰ کے راضی نامہ کی گواہی دی۔ (مقصد یہ تھا) تاکہ لوگوں کے دل اُن کی محبت سے لبریز رہیں اور زبانیں ان کی اچھائی ہی بیان کریں۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب ۱۰، مسند امام احمد ج ۱ ص ۴، ۷، ۱۲

ان صحابہ کرام مہاجرین وانصار میں سے کسی سے بھی کسی ایسے فعل (گناہ) کا صدور نہیں ہوا جو حضرت حاطب سے سرزد ہونے والے فعل سے زیادہ سخت وشدید ہو بلکہ ان سے صادر ہونے والے اس قسم کے اکثر اُمور ایسے تھے جن میں وہ مجتھد (اجتہاد کرنے والے) ہوتے تھے۔ یعنی بالفرض اگر ان سے کوئی خطاء و غلطی سرزد ہوئی بھی ہو تو وہ اجتہادی خطاء اور اجتہادی غلطی ہوگی۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ، وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ۔ وَهٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ مَشْهُوْرٌ۔ (۱)

جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) صحیح ہو تو اس کو دو اجر (دوہرا ثواب) ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ (یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے)

نیز یہ بھی ثابت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احزاب کے لئے تشریف لے گئے اور مشرکین عرب کو اپنے گروہوں کی شدت کے باوجود کوئی بھلائی میسر نہ آئی، چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے انہیں (ناکام ونامراد) واپس لوٹا دیا اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بنی قریظہ کا قصد فرمانے کا حکم دیا چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمُ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ۔ (۲)

(۱) صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب ۲۰، ۲۱۔ صحیح مسلم الاقضیہ حدیث رقم ۱۵۔ سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ باب ۲۔ سنن نسائی کتاب الاحکام باب ۲، القضاۃ باب ۳، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۰۵۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ صحیح بخاری باب صلوۃ الخوف

تم میں سے کوئی شخص بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چلے۔ مگر ابھی راستے میں ہی تھے کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ ان صحابہ کرام میں سے ایک گروہ نے کہا ہم بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نمازِ عصر نہیں پڑھیں گے بلکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان کے مطابق بنی قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز عصر پڑھیں گے۔

اور بعض صحابہ نے کہا: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء یہ نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا منشاء و مقصد یہ تھا کہ سفر جلدی طے کرنا یہاں تک کہ نمازِ عصر تک وہاں پہنچ جانا۔ چنانچہ ان صحابہ نے راستے میں ہی نماز عصر پڑھ لی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ان کا ذکر کیا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو بھی ملامت نہیں کیا۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ مبارکہ، سنت مرضیہ اسی (سنت الٰہیہ) کے مطابق وموافق ہے جسے پروردگار عالم جل مجدہٗ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

{وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ج وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۞ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ز ..... (۲)

اور (یاد کرو) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان (علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا، جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے، سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ

(۱) صحیح بخاری باب صلوٰۃ الخوف۔ (۲) سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۷۸، ۷۹۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم۔

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے ان دونوں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام میں سے ایک نبی (حضرت سلیمان علیہ السلام) کو اس معاملہ اور قضیہ کے فیصلہ کی سوجھ بوجھ اور فہم کے ساتھ خاص فرمایا۔ جبکہ دونوں کو علم وحکم سے نوازا اور اس بنا پر ان دونوں میں سے ہر ایک کی تعریف بیان فرمائی۔

حاصل کلام:

پس یونہی مہاجرین وانصار یعنی پہلے پہلے ایمان لانے والے اور عمدگی اور خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ جن سے اللہ راضی اور وہ اللہ سے راضی، اپنے باہمی تنازعات واختلافات میں مجتہد (اجتہاد کرنے والے) اور حق کے طلبگار اور متلاشی تھے۔

جَهْلُ الشِّيْعَةِ بِمَذْهَبِ الْإِمَامِ عَلِي

حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مذہب سے شیعہ کی جہالت

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافاً كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَ اِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ، فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔(۱)

تم میں سے جو کوئی میرے وصال کے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، اُسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ نئی باتوں سے دور رہو (کہ ہر نئی چیز بدعت ہے) اور ہر بدعت (وہ نئی چیز جو خلاف سنت ہو) گمراہی ہے۔(۲)

اور آپ کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً، ثُمَّ تَصِيْرُ مُلْكًا ۔ (۳)

خلافت تیس 30 برس رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی۔

(خلافت کے) تیس برس مکمل ہوئے تو سبطِ رسول (نواسہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

(۱) سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب ۵، جامع ترمذی کتاب العلم باب ۱۶، سنن ابن ماجہ، مقدمہ باب ۲، مسند دارمی مقدمہ باب ۱۶، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۲۶، ۱۲۷۔

(۲) بدعت پر تفصیلی بحث بعنوان: بدعت اور اس کا مفہوم، ص ۲۲ پر ملاحظہ کیجئے۔

(۳) مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۲۰، ۲۲۱

وآلہ وسلم) حضرت امام حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے امر حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے سلطان (اسلام) اور پہلے بادشاہ تھے اور انکے دورِ حکومت میں بادشاہت اور رحمت تھی جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔

سَتَكُونُ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكٌ وَجَبْرِيَّةٌ، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكٌ عَضُوضٌ۔ (۱)

عنقریب خلافتِ نبوت ہوگی پھر بادشاہت ورحمت ہوگی پھر بادشاہت اور جبر و تسلط ہوگا پھر (دانتوں) سے کاٹنے والی بادشاہت ہوگی۔

حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد طرق سے ثابت ہے کہ جب آپ نے اہل جمل سے قتال (جنگ) فرمایا تو ان کی اولاد اور بچوں کو قیدی نہیں بنایا ان کے اموال کو اموال غنیمت قرار نہیں دیا۔ کسی زخمی کو نہیں مارا۔ نہ ہی کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا اور نہ ہی کسی قیدی کو قتل کیا۔ بلکہ جمل و صفین (دونوں جنگوں) میں آپ نے دونوں گروہوں کے مقتولین پر نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا:

إِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا۔

یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔

اور آپ نے خبردار فرمادیا کہ وہ نہ تو کافر ہیں اور نہ ہی منافق ہیں۔ (بلکہ مسلمان ہیں) اور اس سلسلے میں آپ نے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی فرمائی۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قتال وبغاوت کے باوجود انہیں مومن اور بھائی بھائی قرار دیا۔ (اور تمام مومنین کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا)

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب ۸، ترمذی شریف کتاب الفتن باب ۴۸، مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۷۳ ج ۵ ص ۴۴، ۵۰، ۴۰۴۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانِ ذیشان میں بیان فرمایا:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا.....(۱)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔

ان دونوں گروہوں کو تو مؤمنین اور تمام مؤمنین کو آپس میں بھائی قرار دیا مگر اس کے برعکس ایک فرقہ کے بارے میں کتب صحاح میں موجود ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عَلٰی حِیْنِ فُرْقَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ، تَقْتُلُهُمْ اَوْلَی الطَّائِفَتَیْنِ بِالْحَقِّ۔ (۲)

مسلمانوں میں تفریق واختلاف کے وقت ایک فرقہ جدا ہو جائے گا، اور مسلمانوں کی دو جماعتوں میں سے جو جماعت حق کے زیادہ قریب ہوگی وہ اس فرقہ کو قتل کرے گی۔

اور یہ جدا ہونے والا فرقہ اہل حروراء (حروری) تھے جنھیں امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور آپ کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ جبکہ وہ اسلام سے جدا ہو گئے اور انہوں نے آپ کے خلاف خروج کیا۔ وہ (حروری) آپ اور تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے (یعنی ان سب کو کافر کہتے تھے) معاذ اللہ ثم العیاذ باللہ۔ اور مسلمانوں کے جان و مال کو حلال قرار دیتے تھے۔

طرقِ متواترہ (متواتر سندوں) کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نشانیاں بیان فرمائیں اور انھیں قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ آپ

(۱) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۹

(۲) صحیح مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۱۵۰، ۱۵۲۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب ۱۲۔ مسند امام احمد ج ۳ ص ۳۲، ۴۸

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی علامات ونشانیاں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَهٗ مَعَ صَلَاتِهِمْ ، وَ صِيَامَهٗ مَعَ صِيَامِهِمْ وَ قُرْاٰنَهٗ مَعَ قُرْاٰنِهِمْ ، يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ، وَلَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ يَقْتُلُوْنَهُمْ مَا لَهُمْ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَاتَّكَلُوْا عَنِ الْعَمَلِ۔ (۱)

جن کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر گردانو گے اور ان کے قرآن (پڑھنے) کے مقابلے میں اپنے قرآن پڑھنے کو حقیر جانو گے۔وہ لوگ قرآن مجید پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوم (گلوں) سے نیچے نہیں اُترے گا اور وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار (نشانہ) سے نکل جاتا ہے۔

جو لوگ انھیں قتل کرنے کیلئے جائیں گے اگر وہ اس ثواب کو جان لیں جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انکے نبی کی زبان پر کیا ہے تو وہ باقی اعمال کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم اور آپ کے ساتھیوں نے انہیں قتل کیا اور جب ان میں (سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی

(۱) صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب ۲، کتاب المناقب باب ۲۵، کتاب المغازی باب ۶۱، فضائل القرآن باب ۳۶، کتاب الادب باب ۹۵، توحید باب ۲۳، ۵۷ کتاب استتابۃ باب ۶، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث رقم ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۹۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب ۲۸، ترمذی کتاب الفتن باب ۲۴، سنن نسائی کتاب الزکوۃ باب ۷۹، کتاب التحریم باب ۲۶، ابن ماجہ فی المقدمہ باب ۱۲، مسند دارمی مقدمہ باب ۲۱، موطا امام مالک فی مس القرآن حدیث ۱۰، مسند امام احمد ج ۱ ص ۸۸، ۹۲، ۱۳۱، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۶۰، ج ۳ ص ۵، ۱۵ وغیرہ۔

ہوئی) علامات پائی گئیں تو آپ فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا۔

(ان علامات میں سے ایک خصوصی علامت یہ تھی) کہ ان میں ایک شخص ہوگا جس کا ہاتھ ناقص ہوگا۔ اور اس کا ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سر کی طرح ہوگا۔

جب ان (حروریوں، ناصبیوں) میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی علامات کا ظہور ہوا (نشانیاں پائی گئیں) تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس امر پر اتفاق کرلیا کہ اُن کے خلاف جنگ وقتال کرنا جائز وحلال ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد اس بات پر نادم ہوئی کہ وہ امیر المومنین کی معیت میں ان کے خلاف جنگ وقتال میں شریک کیوں نہ ہوئے۔ بخلاف اس کے جو جنگ جمل اور صفین میں پیش آیا کہ امیر المومنین اس جنگ وقتال پر غمگین تھے اور اس میں رونما ہونے والے واقعات پر شاکی اور دردمند تھے۔

اس جنگ کے بارے میں آپ اور آپ کے بیٹے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی گفتگو میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ نہ کرنے کی رائے دی۔

پس برابر اور ایک جیسی نہیں ہوسکتی وہ جنگ جس نے امیر المومنین اور آپ کے ساتھیوں کے دلوں کو مسرور کیا اور اس میں شامل نہ ہونے والے ان پر رشک کرتے رہے اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بھی اس کے بارے میں ارشادات تواتر سے ثابت ہیں۔ اور (برابر نہیں ہوسکتی) وہ جنگ جس نے افضل ترین اہل بیت اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو غمگین کیا۔ حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔

اے اللہ! میں ان (یعنی علی المرتضیٰ) سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت فرما اور جوان سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت فرما۔

بہر حال حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی تمام جنگوں میں آپ جن جن سے بھی لڑے ان سب کے مقابلے میں آپ ہی حق پر تھے۔

اور یونہی برابر نہیں وہ مقتولین جن پر آپ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور انہیں اپنا بھائی قرار دیا اور وہ مقتولین جن پر آپ نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی بلکہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کون ہیں وہ لوگ ،جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آراستگی میں کھوکر رہ گئی جبکہ وہ یہ خیال کرر ہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کرر ہے ہیں:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔

(الکہف ۱۸: ۱۰۴)

تو آپ نے فرمایا وہ اہل حروراء (خارجی ،حروری) ہیں۔

یہ واضح فرق ہے اہلِ حروراء (خارجوں ، ناصبیوں) کے درمیان اور ان کے درمیان جنہیں امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موافقت ومطابقت کرتے ہوئے اپنے دور خلافت میں اپنے قول وعمل سے مسلمان قرار دیا۔

یہ وہ سچائی اور راہِ حق وصواب ہے کہ ہدایت کے متلاشی کو اس سے اعراض ممکن نہیں اگر چہ علماء سلف وحلف کی ایک کثیر تعداد اس فرق کی طرف راہ نہیں پاسکی اور وہ اس فرق کو پہچان اور سمجھ نہیں سکے بلکہ ان تمام معاملات میں انھوں نے ایک ہی راستہ اختیار کیا۔

نتیجۃً خوارج (دشمنان علی واھل بیت) جس بغض ولعنت اور عذاب وقتل کے مستحق و سزاوار تھے اسے بیان کرنے میں بھی کوتاہی کی ہے۔ اور کبھی ان کے سوا وہ لوگ جو اس لعنت وعذاب کے مستحق نہیں تھے ان پر بھی یہ حکم لگادیا ہے۔

ضلالت وگمراہی کے اسباب وعوامل

لوگوں کی ضلالت وگمراہی کا بڑا سبب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سیرت سے کم آگاہی اور سوجھ بوجھ کی کمی ہے۔

یعنی قلتِ علم وفہم (جاننے اور سمجھنے کی کمی گمراہی کا بڑا سبب) ہے وگرنہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طلبگار ہو، اس سے مدد چاہے اور اس (ہدایت) کیلئے کوشش اور تلاش وجستجو کرے منقول وماثور (روایات) میں صحیح کو تلاش کرے، کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء رسول کی سیرت میں غور وفکر اور تدبر سے کام لے (وہ کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا) لوگ ہیں کہ وہ خلفاء رسول کی سیرت میں غور وفکر نہیں کرتے اور تدبر سے کام نہیں لیتے۔

خصوصاً ہادی ومہدی (ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے) امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی سیرۃ مبارکہ میں جن واقعات کا ظہور ہوا، وہ بہت سے لوگوں کی نظروں سے مخفی وپوشیدہ رہے یا مشتبہ ہوگئے تو اسی سبب سے وہ گمراہی میں پڑ گئے، پھر انھوں نے غلو کیا اور حد سے بڑھ گئے یا پھر برگشتگی اختیار کرتے ہوئے اعراض کیا اور منہ موڑ لیا

جس طرح حضرت امیر المومنین جناب مولا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے خود فرمایا ہے:

يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ: مُحِبٌّ غَالٍ يُقَرِّظُنِي بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ قَالٍ يَرْمِيْنِي بِمَا نَزَّهَنِي اللّٰهُ مِنْهُ۔ (۱)

میرے حق میں دو طرح کے آدمی ہلاک ہوں گے ایک محبت میں غلو کرنے اور حد سے بڑھنے والا جو میری ایسی تعریف کرے اور میرے لئے وہ کچھ ثابت کرے جو مجھ میں نہیں ہے (یعنی مرتبہ سے بڑھائے اور حد سے تجاوز کرے) اور دوسرا بغض رکھنے والا اور دشمنی کرنے

(۱) مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۶۰

والا جو عداوت و دشمنی میں مجھ پر الزام واتہام رکھے اور بہتان باندھے جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے ان سے پاک ومنزہ فرمایا ہے۔

گمراہی سے بچنے اور اس کے سد باب کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ طلب ہدایت:۔ ہدایت کا طلب کرنا۔

۲۔ خواہشات سے اجتناب:۔ خواہشاتِ نفسانی سے بچنا۔

تا کہ انسان گمراہ (ضالا) اور خواہشات کا غلام (غاویا) نہ ہو بلکہ ہدایت یافتہ اور راہِ راست پر چلنے والا ہو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے محبوب کریم نبی رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ارشاد فرمایا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۞ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۞ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ۞ (۱)

قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اُترا۔ تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے، نہیں ہے یہ مگر وحی جو انکی طرف کی جاتی ہے۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ہی "ضال" ہیں اور نہ ہی "غاو"۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ضلالت و جہالت اور ظلم ومخالفت حق سے محفوظ و مامون فرما رکھا ہے۔ "ضال" وہ ہوتا ہے جو جاہل ہو اور "غاو" وہ ہوتا ہے جو ظالم ہو۔ جبکہ بندے کی صلاح واصلاح اور عافیت وخیریت اسی میں ہے کہ وہ حق کو جانے اور اس پر عمل کرے (یعنی جاہل بھی نہ ہو اور ظالم بھی نہ ہو۔ یعنی نہ ہی جاہل ہو اور نہ ہی ظالم) جو حق کو جانتا نہیں وہ اس سے جاہل (ضال) ہے اور جو حق کو جانتا ہے مگر اس

(۱) سورۃ النجم آیت نمبر ۱، ۲، ۳، ۴

کی مخالفت کرتا اور اپنی خواہش نفس کی اتباع و پیروی کرتا ہے، پس وہ ظالم (غاو) ہے اور جو شخص حق کو جانتا بھی ہے اور پر عمل بھی کرتا ہے تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو از روئے عمل، صاحبِ جاہ و مرتبہ (صاحب قوت وقدرت) اور علم کے اعتبار سے دانا وبینا اور عقل ودانائی کے مالک ہیں۔ اور یہی (حق کو جاننا اور اس پر عمل کرنا) وہ صراط مستقیم ہے کہ جسے طلب کرنے کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم ہر نماز میں یوں دعا کیا کریں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۞ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۞ (۱)

چلا ہم کو سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر۔ راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

مَغْضُوْب عَلَيْهِمْ (جن پر غضب ہوا) وہ ہیں جو حق کو پہچانتے ہیں مگر اس کا اتباع نہیں کرتے جیسے یہود۔ (یہودی)

اور اَلضَّآلُّوْن (گمراہ) وہ ہیں جو علم کے بغیر اور حق کو جانے بغیر قلوب وجوارح (اعضاء) سے اعمال کی ادائیگی کرتے ہیں۔ جیسے نصاریٰ۔ (عیسائی)

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ارشاد مبارک میں یہود کو "غوایہ" قرار دیا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ج وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ج وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ط.....(۱)

میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو (تو بھی) نہ ایمان لے آئیں ان پر اور دیکھ بھی

(۱) سورۃ الفاتحہ آیت نمبر ۵، ۶، ۷ (۲) سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۴۶

لیں راہِ رشد وہدایت تب بھی نہ بنائیں اُسے (اپنا) راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (توجھٹ) بنالیں اُسے (اپنی) راہ۔

اور وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اُسے بھی غاوین میں شمار کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

{وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۞ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج...... (۱)

اور پڑھ سنایئے انھیں اس کا حال جسے دیا ہم نے (علم) اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی۔

اور نصارٰی (عیسائیوں) کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ''ضال'' قرار دیا ہے۔

...وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۞ (۲)

اور نہ پیروی کرو اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہِ راست سے۔

(اسی طرح) اُسے بھی ''ضال'' قرار دیا ہے جو بغیر علم (بے علمی کے باعث) اپنی خواہش نفس کی اتباع کرتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۶،۱۷۵

(۲) سورۃ المائدہ آیت نمبر ۷۷

......وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۞(۱)

اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔

نیز فرمایا:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط..... (۲)

اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آگاہ وخبردار فرمادیا ہے کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہدایات وتعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے اور ان کی اتباع وپیروی کرتا ہے، وہ ضالون (گمراہ عیسائیوں، نصارٰی) کی طرح کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ اور مغضوب علیہم (یہودیوں ،جن پر غضب ہوا) کی طرح کبھی شقی وبدبخت نہیں ہوگا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

......فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى لا فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۞(۳)

پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی

---

(۱) سورۃ الانعام آیت ۱۱۹

(۲) سورۃ القصص آیت نمبر ۵۰

(۳) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۳

تلاوت کرتا اور اس کی ہدایات وتعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا کفیل و ضامن بن جاتا ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہ ہو اور آخرت میں شقی و بدبخت نہ رہے۔

کمال ہدایت کا تقاضا ہے کہ ہدایت کا طلبگار کتاب اللہ اور تواتر سے ثابت شدہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت خلفاء راشدین کو پیش نظر رکھے اور ثقہ و مضبوط راویوں سے ثابت ومنقول روایات پر نگاہ رکھے۔

نیز ثقہ روایات اور ان راویوں کی روایت میں تمیز رکھے جو حدیث کو کما حقہ یاد نہیں رکھ سکے۔ یا کسی غرض کی وجہ سے روایت حدیث میں متہم بالکذب (جھوٹ کی تہمت دیئے گئے) ہیں کیونکہ اس طرح روایت کرنے والا باطل کو بیان کرنیوالا ہے۔ یا تو وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے یا اس کے جھوٹ بولنے کا سبب حافظہ کی کمزوری، نسیان (بھول جانے) کا عارضہ یا پھر فہم وضبط (سوجھ بوجھ اور عدل وضبط) کی قلت وکمی ہے۔

پھر جب ہدایت کے متلاشی کو ان امور کی معرفت حاصل ہو جائے تو ان میں غور وفکر کرے اور عقل وتدبر سے کام لے اور متفقہ اُمور و مسائل پر جم جائے اور اختلافی اُمور ومسائل میں خوب غور وفکر کرے حتیٰ کہ اُس پر ظاہر ہو جائے کہ حقیقت میں اتفاق (کہاں) ہے اگرچہ بظاہر اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یا پھر ان میں سے کسی ایک طرف کا راجح ہونا ایسا واضح ہو جائے کہ جس کی اتباع واجب ٹھہرے۔ اور دوسری طرف کا مرجوح ہونا خوب کھل جائے اور واضح ہو جائے کہ اس کے ثبوت کے لئے حقیقت میں کوئی دلیل نہیں اگرچہ بظاہر دلیل موجود ہو۔ (بایں طور اس کا مرجوح ہونا ثابت ہو جائے)

رہا لوگوں کا غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا تو اس کی وجہ عدم تمیز (تمیز نہ کرنا) ہے اس لئے کہ وہ نصوص وآثار (آیات واحادیث) سے ثابت ہونے اور سمجھے جانے والے امور اور محض

قیاس واعتبار سے سمجھے جانے والے امور و مسائل میں تمیز نہیں کر پاتے۔ پھر جب علم میں بد گمانی اور عمل میں خواہشاتِ نفس شامل ہو جاتی ہیں تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا حصہ دار بن جاتا اور اس میں سے اپنا حصہ پاتا ہے۔

......اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ ج وَ لَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰی ۞ (۱)

نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔

بدگمانی اور خواہشات کی پیروی وہ سبب ہے جس کے باعث انسان پر جہالت طاری ہو جاتی ہے اور اس کے عمل میں ظلم کی رونمائی ہونے لگتی ہے پس انسان اپنی جہالت کی وجہ سے ظن وگمان کی پیروی کرتا ہے اور اپنے ظلم کے سبب خواہشات نفسانی کی اتباع کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے رسول بھیجے اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں تو رسولوں کی اتباع و پیروی میں پختگی رکھنے والے لوگ ظن وگمان اور خواہشات نفس کی پیروی سے دور ہوتے گئے۔ اور رسولوں کی اتباع میں جتنا پختہ ہوتے گئے اتنا ہی ان رذائل سے دور ہوتے چلے گئے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ص وَ اَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ ج وَ مَا اخۡتَلَفَ فِیۡهِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ج فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ط وَ اللّٰهُ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۞ (۲)

(۱) سورۃ النجم آیت نمبر ۲۳ (۲) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۳

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوئے) تو بھیجے اللہ نے انبیاء خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کردے لوگوں کے درمیان جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں بجز ان لوگوں کے جنہیں کتاب دی گئی تھی بعد ازاں کہ آگئی تھیں ان کے پاس روشن دلیلیں (اس کی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی انہیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی جس خصلت (یعنی باہمی حسد) کا ذکر فرمایا ہے اگرچہ وہ غیر مسلمین کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی امت کے کسی گروہ کے ساتھ خاص ہے۔ مگر چونکہ غیر مسلمین نے اسے اپنے مذہب کا اُصول اور اپنا دین بنالیا لہذا اُن کی جہالت وظلم یعنی ظن وگمان کی پیروی اور خواہشات نفس کی اتباع کفر اور کھلے خسارے میں بدل گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جو اصول دین میں کسی بڑی بدعت کی ایجاد کرتا اور اس کا اجراء کرتا ہے، اسے اس کا زیادہ حصہ ملتا ہے بنسبت اس کے جس نے کسی باریک اور دشوار امر میں غلطی کا ارتکاب کیا۔

اور نفوس تو دوسروں کے عیب اور اپنے محاسن وخوبیوں کی معرفت پر شیفتہ وفریفتہ ہوتے ہیں۔ مگر انصاف پسند عالم حق کے سوا کچھ نہیں کہتا اور صرف اسی کی اتباع وپیروی کرتا ہے۔ اسی لئے جو اِن روایات وتعلیمات کی پیروی اور اتباع کرتا ہے جن کا منقول ہونا ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپکے خلفاء، صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے ائمہ عظام سے مثلاً امام علی بن الحسین زین العابدین، ان کے بیٹے امام ابی جعفر محمد بن علی

الباقر، ان کے بیٹے امام ابی عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہم السلام سے جو علماء اُمت کے شیخ، استاد و پیر ہیں، اور ان جیسے ائمہ اہل بیت اطہار سے (جن کا منقول ہونا ثابت ہے) اور امام مالک اور امام ثوری اور ان کے طبقہ کے جیسے لوگوں سے (جس کا منقول ہونا ثابت ہے) وہ (یعنی جو اِن کی اتباع کرنیوالا ہے) جان لیتا ہے کہ اپنے دین کے اصولوں اور شریعت کے اجتماعی معاملات میں وہ سب متفق ہیں اور پھر ایسا شخص وہ کچھ بھی جان لیتا ہے جو اسے غافل و بے پرواہ کر دیتا ہے ان قسم قسم کے مقالات و اقوال سے جنھیں متاخرین علما (بعد میں آنے والوں) کی اکثریت نے گھڑ لیا ہے حالانکہ وہ سلف صالحین کے مذہب و مسلک کے خلاف اور بالکل برعکس ہیں

اور اِن متاخرین کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جو اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بغض وعداوت پر کمر بستہ ہوئے، ان کے حقوق میں کوتاہی کی اور انھیں تکلیف واذیت پہنچائی۔ یا پھر ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے ان کے بارے میں خلافِ حق غلو کیا اور حد سے بڑھ گئے۔ ان پر کذب (جھوٹ) کی تہمت لگائی اور سابقین اولین سبقت لے جانے والوں اور فرماں برداری واطاعت کرنیوالوں یعنی صحابہ کرام کے حقوق میں کمی وکوتاہی کی۔

توحید و صفات، عدل وقدر، ایمان، اسماء، احکام، وعید وثواب وعذاب، امر بالمعروف (نیکی کا حکم کرنا) اور نہی عن المنکر (برائی سے منع کرنا) کے بارے میں اور اسی سے متصل امراء کے احکام خواہ وہ نیک ہوں یا بد اور ان کے ساتھ ان کی رعیت کے احکام، نیز صحابہ کرام اور اھل بیت اطہار کے بارے میں جو روایات سلف صالحین سے ماثور ومنقول ہیں، جو انصاف پسند عالم بھی ان روایات کو ملاحظہ کرتا ہے اس پر یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ان معاملات ومسائل میں سلف صالحین کے درمیان کوئی (ذاتی) نزاع وجھگڑا اور اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ اس اختلاف ونزاع کی نوعیت ایسی تھی جسے کتاب وسنت نے

برقرار رکھا ہے۔جس کا ذکر (اوپر گذر چکا ہے)۔

نیز یہ امر بھی بالکل ظاہر ہو چکا ہے اور ہمارے ہدایت یافتہ رہنما اور اہل امر بھی اس بات پر متفق ہیں کہ تمام بری بدعتیں جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں، اخلاف یعنی بعد میں آنے والوں کی طرف سے ایجاد کی گئیں اور گھڑی گئی ہیں ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی نسبت بعض اسلاف کی طرف کردی جاتی اور اسے اُن کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے حالانکہ ان سے منقول ہونا ثابت ہی نہیں ہوتا۔اور کبھی ان کے متشابہ کلام کی تاویل کرتے ہوئے ان کی طرف نسبت کردی جاتی ہے جبکہ ان کے متشابہ کلام کی وہ مراد ہی نہیں ہوتی۔

پھر یہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت وکرم ہے کہ ان کی طرف منسوب ایسی روایات بہت کم نقل کی گئی ہیں۔ جبکہ نقول صحیحہ میں ان سے محکم وصریح اقوال (مضبوط اور واضح اقوال) ثابت ہیں۔جس سے ان کے اقوال کو غلط نقل وتاویل کے ذریعے مغالطے کی نذر کردینے کی قلعی کھل جاتی ہے۔

اس لئے کہ صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) ہر امت کے لئے بمنزلہ اس راستے کے ہے جو درمیانی راستہ ہے۔اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ تمام ادیان وملل میں درمیانی دین وملت اور درمیانی راستہ ہے۔جس طرح کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا..... (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے بنادیا تمھیں (اے مسلمانو!) درمیانی امت۔(بہترین امت) (یہی وجہ ہے) کہ اہل اسلام نے یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں کی طرح انحراف نہیں کیا۔اور وہ کسی ایک جانب کو نہیں جھکے بلکہ درمیانی راستے (صراط مستقیم) پر گامزن ہیں۔

یونہی اہل استقامت، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لازم پکڑنے

والوں اور سلف صالحین کے طریقے پر چلنے والوں نے ''وسط'' (درمیانی راستہ) سے تمسک کیا اور اس سے مطلقاً انحراف نہیں کیا۔

مثال کے طور پر یہود کو دیکھئے تو انہوں نے انبیاء کرام اور صدیقین کے بارے میں جور وجفا سے کام لیا یہاں تک کہ ان کی تکذیب کرنے لگے اور انھیں قتل تک کر دیا۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

......فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۞ (۱)

بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے۔

اور نصاریٰ نے ان کے بارے میں غلو سے کام لیا اور حد سے بڑھ گئے یہاں تک کہ انھیں معبود بنالیا اور ان کی عبادت کرنا شروع کر دی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط...... (۲)

اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات۔

اور یہود نے نسخ سے بھی انحراف کیا یہاں تک کہ ان کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (کسی حکم کا) نسخ (بیانِ مدتِ حکم) واقع نہیں ہوسکتا یا اس کیلئے جائز ہی نہیں۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس انکار کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط..... (۳)

اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔

اور نصاریٰ نے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کے بالکل برعکس موقف اختیار کیا۔ چنانچہ انھوں نے پادریوں اور راہبوں کے لئے بھی جائز قرار دے دیا کہ وہ جو چاہیں واجب کر دیں اور جسے

---

(۱) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۸۷ (۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱

(۳) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۲

چاہیں حرام قرار دے دیں۔ یونہی تمام اُمور میں یہود کے برعکس ہوئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو درمیانی راستہ کی طرف رہنمائی اور ہدایت عطا فرمائی پس انہوں نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں وہی عقیدہ اختیار کیا جس کے وہ مستحق تھے چنانچہ انھوں نے نبیوں کی تعظیم وتوقیر کی، ان کے ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ ان سے محبت کی اور ان کی اتباع وپیروی اور اطاعت کی اور یہود کی طرح ان کی تردید وتکذیب بھی نہیں کی اور نصاریٰ کی طرح ان کے بارے میں مبالغہ اور غلو کا مظاہرہ کرتے اور حد سے بڑھتے ہوئے انہیں خدا یا خدا کی خدائی میں شریک بھی نہیں ٹھہرایا۔ یونہی نسخ کہ انہوں (مؤمنین) نے اللہ تعالیٰ کے لئے نسخ کو جائز قرار دیا لیکن غیر خدا کے لئے نسخ کو جائز نہیں قرار دیا۔ کیونکہ خلق وامر (پیدا کرنا اور حکم دینا) اللہ ہی کے لئے ہے۔(۱)

توجس طرح غیر خدا خالق نہیں ہوسکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق (پیدا کرنے والا نہیں) اسی طرح اس کے سوا کسی کا حکم نافذ نہیں۔

(۱) نسخ کی بحث: نسخ کے لغوی معنی تبدیل کرنا، اٹھانا اور زائل کرنا ہے،

کہا جاتا ہے: نسخت الشمس الظل۔ سورج نے سایہ زائل کر دیا۔

اور اصطلاح شریعت میں نسخ، حکم مطلق کی انتہاء بیان کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے، ہمارے سامنے چونکہ ناسخ نہیں ہوتا اس لئے ہم اس حکم کو دائمی خیال کرتے ہیں اور ناسخ آنے کے بعد ہم کو اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے۔

ناسخ اس طریق شرعی کو کہتے ہیں جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو حکم پہلے طریق شرعی سے ثابت تھا وہ اب نافذ العمل نہیں رہا اور یہ طریق شرعی پہلے طریق شرعی سے مؤخر ہوتا ہے بایں طور کہ اگر یہ نہ ہوتا تو پہلا طریق شرعی ثابت رہتا۔ لہذا نسخ کے معنی تکذیب یا حکم کا بدلنا نہیں، بلکہ بیان مدتِ حکم ہے۔

ملا علی قاری رقمطراز ہیں کہ نسخ کی چار قسمیں ہیں: قرآن کا قرآن سے، قرآن کا حدیث سے، حدیث کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے۔

یونہی اسلام میں ثابت قدمی واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مضبوطی سے تھامنے والے اور جماعت سے منسلک (اہلِ سنت وجماعت) توحید باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں درمیانی راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ توحید وصفات باری تعالیٰ کے بارے میں نہ تو معطلہ کی نفی کے قائل ہیں اور نہ ہی ممثلہ کی مشابہت کے۔(۱)

ایک طرف نفی کرنے والے معطلہ ہیں اور دوسرے طرف مشابہت دینے والے ممثلہ ہیں مگر اہل سنت درمیانی راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ نہ معطلہ ہیں اور نہ ممثلہ۔

یونہی قدر وعدل اور افعال کے بارے میں بھی نہ قدریہ وجبریہ(۲) ہیں اور نہ ہی قدریہ مجوسیہ بلکہ درمیانی راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسماء واحکام کے باب میں درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ نہ تو خوارج وغیرہ کی طرح گناہگاروں کو ایمان سے بالکل خارج قرار دیتے ہیں

---

(۱) معطلہ: مذہب تعطیل والے، جو صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم العیاذ باللہ

مشبہہ، ممثلہ: جو صفات باری تعالیٰ کو دوسروں (مخلوق) کی صفات سے مشابہ قرار دیتے اور ذات باری تعالیٰ کو مخلوق کی ذوات کے ساتھ مشابہت دیتے ہیں۔

(۲) قدریہ: ایک فرقہ جو تقدیر الٰہی کا انکار کرتا اور کہتا ہے کہ بندے اپنے افعال اختیاریہ کے خود خالق ہیں اور جبریہ اس کے خلاف ہیں۔

(۳) جبریہ، جہمیہ: ایک فرقہ ہے، جس کے ماننے والے انسانوں کو (پتھر کی طرح) مجبورِ محض ہونے کے قائل ہیں۔ (۳) مُرجئہ: فرقہ مرجئہ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی نجات کے لئے صرف ان کا ایمان لانا کافی ہے۔ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال نہ کرنے یا بداعمال کرنے کی وجہ سے انھیں کوئی عذاب نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ قرآن وسنت کے سراسر خلاف ہے کیونکہ بعض گنہگار مسلمانوں کو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب ہوگا۔

خوارج، معتزلہ: اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ گنہگار مسلمان ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جبکہ یہ عقیدہ بھی سراسر باطل اور قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ کیونکہ خلود فی النار (جہنم میں ہیشگی) صرف کافروں کے لئے ہے۔

اور نہ ہی مرجیئہ اور جہمیہ کی طرح فاسق وفاجر لوگوں کے ایمان کو انبیاء وصدیقین کے ایمان کی طرح قرار دیتے ہیں۔ وعید وثواب اور عقاب وعذاب کے مسئلہ میں بھی اہل سنت کا راستہ درمیانی راستہ ہے۔

اس سلسلہ میں ایک طرف وہ لوگ ہیں جو اہل کبائر (بڑے بڑے گناہگاروں) کے لئے ہمارے نبی مکرم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے قائل نہیں۔ اور دوسری طرف مرجیہ ہیں جو نفوذِ وعید کے قائل نہیں۔ اہل سنت کا راستہ درمیانی راستہ ہے کہ وہ نفوذِ وعید کے بھی قائل ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت لاہل الکبائر کے بھی قائل ہیں۔

امامت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں بھی اہل سنت کا راستہ درمیانی راستہ ہے۔ نہ تو وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو اثم وگناہ اور ظلم وزیادتی کے باوجود (ظالم) حکمرانوں کی موافقت کرتے اور ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں۔

اور نہ ہی ان لوگوں کی طرح جو نیکی وپرہیزگاری پر تعاون، جہاد، جمعہ اور عیدین وغیرہ کے قائم کرنے پر کسی حاکم سے تعاون کو جائز نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ معصوم نہ ہو۔ اور یوں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی تعمیل اور اطاعت میں بھی داخل نہیں ہوتے مگر ایسی اطاعت جس کا کوئی وجود نہیں۔

نتیجۃً پہلے گروہ کے لوگ (ظالم کی موافقت کرنے والے) محرمات میں داخل ہوجاتے اور حرام کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کے لوگ (جو حاکم سے تعاون کو جائز نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ معصوم نہ ہو) واجبات دین اور احکامات شریعت اسلامیہ کے تارک بن جاتے ہیں۔ اور واجبات دین کو اس لئے ترک کردیتے ہیں کہ اس سے موافقت ہوگی اس کی جسے وہ ظالم گمان کرتے ہیں حالانکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسے وہ اپنے تئیں ظالم گمان کرتے ہیں، وہ راسخ العلم اور کامل درجہ کا عادل ومنصف ہوتا ہے۔

مصیبت کے وقت اہل استقامت کا مظاہرہ صبر وثبات

راہِ اعتدال پر گامزن اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے افراد حسب امکان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، جہاں تک بن پڑے اللہ سے ڈرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور انھیں بجالانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

دوسرے لوگوں کے ارتکاب منہیات کی وجہ سے مامورات کو ترک نہیں کرتے۔ بلکہ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ (انھیں کسی کی گمراہی نقصان نہیں پہنچا سکتی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ج لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط...(۱)

اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے، نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو۔

وہ معصیت وگناہ پر کسی سے تعاون نہیں کرتے۔ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔ نیکی کا حکم بڑے عمدہ پیرائے اور بڑے اچھے اور خوب انداز ہی سے کرتے ہیں اور تمام امور میں درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ بایں وجہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے اختلاف وافتراق کا ذکر فرمایا تو اس گروہ کو ''طائفہ ناجیہ'' نجات پانے والی جماعت قرار دیا۔ انہی امور میں سے (جن میں اہل استقامت درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں) ایک عظیم دن وہ دن ہے جسے ''یوم عاشوراء'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اور ''یوم عاشوراء'' وہ دن ہے جس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب نبی مکرم صلی

---

(۱) سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۰۵

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور جنتی جوانوں کے دو سرداروں میں سے ایک جنتی سردار حضرت سیدنا امام حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت عظمیٰ کے مرتبہ علیہ پر فائز فرمایا جنہیں فساق وفجار اشقیاء (ازلی بدبختوں) نے شہید کیا۔

اور یہ واقعہ (شہادت کربلا) دورِ اسلام میں رونما اور وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے حادثات ومصائب میں سے ایک عظیم حادثہ، بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑا صدمہ ہے۔

امام احمد بن حنبل وغیرہ نے حضرت سیدہ فاطمہ بنت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جو کہ اپنے باپ حضرت سیدنا امام پاک رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ (کربلا معلیٰ شریف) میں حاضر تھیں۔ یا شہادت کے وقت موجود اور بقید حیات تھیں، انھوں نے اپنے باپ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے اپنے جدامجد (نانائے پاک) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِمُصِيبَةٍ فَيَذْكُرُ مُصِيبَتَهُ وَإِنْ قَدُمَتْ فَيُحْدِثُ لَهَا اِسْتِرْجَاعًا اِلَّا اَعْطَاهُ اللهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اَجْرِهٖ يَوْمَ اُصِيبَ بِهَا۔(۱)

جس کسی شخص کو کوئی مصیبت وتکلیف پہنچی ہو اور وہ اس کے یاد آنے پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اگرچہ اسے کافی عرصہ گذر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی اجر وثواب عطا فرماتا ہے جتنا کہ تکلیف ومصیبت کے دن اُسے عطا فرمایا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ یقینا خوب جانتا اور اس بات سے خوب واقف وآگاہ ہے کہ مدتیں گذر جانے کے باوجود اس قسم کی مصیبت عظیمہ (حادثہ کربلا) کا بار بار ذکر کیا جائے گا۔

---

(۱) مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۰۱۔ سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۵۵

اسلام کی خوبیوں اور محاسن میں سے ہے کہ اس حدیث کو سب سے پہلے انھوں نے روایت کیا جنہیں سب سے پہلے یہ معاملہ پیش آیا۔

اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اس حادثہ عظیمہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے باعثِ عزت وکرامت بنادیا ہے۔ نیز اسے آپ کے منازل ومراتب اور درجات کی بلندی کا باعث، مراتب شہداء کے وصول اور اہل بیت اطہار کے ان افراد کے ساتھ الحاق کا ذریعہ بنادیا ہے جنھیں مختلف اقسام کی آزمائشوں سے آزمایا گیا اور وہ مصائب وابتلاء کے مختلف ادوار سے گزرے۔

امامین کریمین حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ اور حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہما کو ان مصائب وآلام اور آزمائش وابتلاء کے دور سے واسطہ نہیں پڑا تھا جس سے ان کے نانائے پاک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، والدین کریمین اور عم محترم (چچا جان) گذرے۔ کیونکہ آپ دونوں شوکت اسلام کے دور میں پیدا ہوئے اور مومنین کی گود میں تربیت وپرورش پائی اور پلے بڑھے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان مصائب وآلام، آزمائش وابتلاء کے دور سے گزار کر اور شہادت عظمیٰ کا رتبہ عطا فرماکر ان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی۔ ان میں سے ایک (حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ) کو زہر دیا گیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی اور دوسرے (حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا گیا اور یوں آپ شہادتِ عظمیٰ کے مرتبہ علیا پر فائز ہوئے۔

اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں دارِ کرامت (آخرت) میں منازل ودرجات عالیہ صرف وہی حاصل کر سکتے ہیں جو ابتلاء وآزمائش سے دوچار رہے ہوں۔ جیسا کہ حضور نبی

کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا جبکہ آپ سے پوچھا گیا:

اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً ؟فَقَالَ:اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ حَسَبَ دِیْنِہٖ .فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ صَلَابَۃٌ زِیْدَ فِیْ بَلَائِہٖ ۔وَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ رِقَّۃٌ خُفِّفَ عَنْہُ وَ مَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَمْشِیَ عَلَی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ عَلَیْہِ خَطِیْئَۃٌ۔(۱)

کہ لوگوں میں سے وہ کون سے لوگ ہیں جو سب سے زیادہ آزمائے گئے اور سخت بلاؤں میں مبتلا ہوئے؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔(سب سے پہلے) انبیاء پھر جو اُن سے قریب ہیں پھر جو ان کے بعد افضل ہیں، آدمی اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے اگر دین میں مضبوط و سخت ہے تو اُس کی بلا بھی سخت ہوگی اور اگر دین میں کمزور ہے تو اس پر آسانی کی جاتی ہے اور مومن ہمیشہ ابتلاء و آزمائش میں مبتلا رہتا ہے اور یہی سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر یوں چل رہا ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔

جنھوں نے آپ (حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ، حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو شہید کیا جنھوں نے اس پر اعانت و امداد کی یا جو اس پر راضی ہوئے، وہ سب شقی (بدبخت وملعون) ہیں۔

مصائب و آلام کے پیش آنے پر اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کے لئے جو طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ یوں کہا کریں:

....اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۞ [سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۵۶]

بے شک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۱) ترمذی کتاب الزہد باب ۵۷۔ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲۳۔ مسند دارمی کتاب الرقاق باب ۶۷۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۸۰، ۱۸۵

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا اور آپ کے اہل بیت اطہار پر مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، تو وہ ایک آواز سنتے کہ کوئی کہنے والا کہتا ''اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والو! جان لو کہ ہر مصیبت کے لئے تسلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا کوئی قائم مقام اور ہر مرنے والے کا کوئی جانشین ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور پختہ یقین رکھو اور اسی کی طرف توجہ کرو اور اسی کی رحمت وفضل کے امیدوار رہو۔ درحقیقت مصیبت زدہ وہ شخص ہے جسے ثواب سے محروم کر دیا گیا۔

اہل بیت اطہار جانتے تھے کہ آواز لگانے والے اور کہنے والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیت کرنے اور انھیں تسلی دینے آتے ہیں۔

مگر ان مصائب میں اظہار غم کے لئے لوگوں کا اجتماع اور مخصوص طریقہ اظہار غم، ماتم، نیز مصائب کے ان اوقات اور دنوں کو اس طرزِ اظہارِ غم (ماتم) کیلئے وقف کر لینا، ایسا فعل ہے کہ دینِ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، اور یہ ایسا کام ہے جو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اور نہ ہی سابقین اولین پہلے پہل ایمان لانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی نے کیا نہ تو تابعین نے کیا اور نہ ہی سرداران اہل بیت اطہار میں سے کسی نے کیا۔

حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے موقع پر آپ کے اہل بیت اطہار حاضر تھے اور حضرت سید الشہداء سیدنا امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت بھی آپ کے اہل بیت اطہار موجود وحاضر تھے۔

اس پر سال ہا سال گزرے مگر اہل بیت اطہار نے ماتم، نوحہ وغیرہ جیسے اعمال وافعال ایجاد نہیں کئے اور نہ ہی وہ ان افعال واعمال سے کوئی سروکار رکھتے تھے۔ بلکہ وہ صبر

کا دامن تھامے رہے کیونکہ وہ کتاب اللہ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ سے تمسک کرنے والے تھے۔لہذا وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق استرجاء کرتے یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھتے۔

ہاں مصیبت کے وقت ان کا عمل حزن وبکاء ہوتا جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ ہی اس کی ممانعت ہے۔یعنی دل غم سے معمور ہوتا اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا کَانَ مِنَ الۡعَیۡنِ وَالۡقَلۡبِ فَمِنَ اللّٰہِ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡیَدِ وَاللِّسَانِ فَمِنَ الشَّیۡطَانِ۔(۱)

جس حزن وملال کا اظہار دل اور آنکھ سے ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے،اور جو ہاتھ اور زبان سے ظاہر ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

(یعنی جب دل حزن وغم سے معمور اور آنکھ سے آنسو بہہ نکلے تو یہ از قسم رحمت ہے اور ہاتھ سے (ماتم وغیرہ) اور زبان سے (نوحہ، بین، واویلا وغیرہ) شیطان کی طرف سے ہے۔یعنی شیطانی فعل ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیۡسَ مِنَّا مَنۡ لَطَمَ الۡخُدُوۡدَ وَشَقَّ الۡجُیُوۡبَ وَدَعَا بِدَعۡوَی الۡجَاهِلِیَّةِ۔(۲)

(۱) ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا کَانَ مِنۡ حُزۡنٍ فِیۡ قَلۡبٍ اَوۡ عَیۡنٍ فَهُوَ مِنۡ قِبَلِ الرَّحۡمَةِ وَ مَا کَانَ مِنۡ حُزۡنٍ یَدٍ اَوۡ لِسَانٍ فَهُوَ مِنۡ قِبَلِ الشَّیۡطَانِ۔دیکھئے جمع الجوامع للسیوطی ج ۱ ص ۷۰۹

(۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ۳۶، ۳۸، ۳۹ کتاب المناقب باب ۸۔صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۶۵۔ترمذی کتاب الجنائز باب ۲۲۔سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز ۵۲۔مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۸۶، ۴۳۲، ۴۵۵، ۴۴۲، ۴۶۵، ج ۴ ص ۱۳۱۔

جو شخص رخساروں پر طمانچے مارے یعنی منہ پیٹے اور گریبان چاک کرے یا ایام جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ النَّائِحَۃَ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِہَا فَاِنَّہَا تُلْبَسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ دِرْعًا مِنْ جَرَبٍ وَسِرْبَالًا مِنْ قَطِرَانٍ۔ (۱)

نوحہ (بین اور واویلا وغیرہ) کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اُسے گندھک اور خارش کی قمیص پہنائی جائے گی۔

مزید فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ النَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ اِلَیْہَا۔ (۲)

نوحہ کرنے والی اور اس کی طرف کان لگا کر بغور سننے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث رقم ۲۹، سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۵۱۔ مسند امام احمد ج ۵ ص ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز باب ۲۵۔ مسند امام احمد ج ۳ ص ۶۵

نوحہ اور ندبہ میں فرق: مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ مراۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۵۰۳ پر ندبہ اور نوحہ کا فرق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

نُدْبَہ: مردے کے سچے اوصاف بیان کرنا ندبہ کہلاتا ہے۔

نَوْحَہ: اور اس کے جھوٹے اوصاف بیان کر کے رونا نوحہ ہے۔

ندبہ جائز ہے اور نوحہ حرام۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ندبہ کیا تھا نوحہ نہیں۔ (مراۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۵۰۳ از مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ) از مترجم

چنانچہ سیّدہ کائنات خاتون جنت سلام اللہ تعالیٰ علیہا حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضر ہوئیں۔ مٹی مبارک اٹھا کر آنکھوں سے لگائی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان اقدس پر درج ذیل پر یہ اشعار

ماذا من شم تربۃ احمد صبت علی مصائب لو انہا

ان لا یشم لدی الزمان غوالیا صبت علی الایام صرن لیالیا

جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس کی خاک (مبارک) سونگھ لی، اسے زندگی بھر دوسری خوشبو کی ضرورت نہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال وجدائی سے مجھ پر اتنے عظیم مصائب آئے، اگر وہ دنوں پر آتے تو وہ رات میں ڈھل جاتے۔

یونہی میدان کربلا میں حضرت سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کا ندبہ بھی مشہور ومعروف ہے۔ اسیران کرب وبلا کا قافلہ کربلا سے کوفہ کی طرف لے جایا جارہا ہے۔ اس دوران جب یہ قافلہ میدان کارزار سے گذرا اور انھوں نے حضرت سیّدنا امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی بے گور وکفن لاشیں دیکھیں تو سیّدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے (مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے) انتہائی درد وکرب کے ساتھ روتے ہوئے کہا:

یا محمداہ! یا محمداہ!

ھذا حسین بالعراء مرمل بالدماء، مقطع الاعضاء، یا محمداہ!

وبناتك سبایا، وذریتك قتلی، شفی علیھم الصباء، یا محمداہ!

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم) آپ کی دہائی ہے، دیکھئے یہ حسین رضی اللہ عنہ چٹیل میدان میں خون سے لتھڑے ہوئے، اعضاء بریدہ پڑے ہیں۔

اے رسول خدا! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم) آپ کی دہائی ہے کہ آپ کی بیٹیاں اسیر و قیدی ہیں، آپ کی اولاد کے لاشے بے گور وکفن پڑے ہیں اور ہوئیں ان پر گرد اڑا رہی ہیں۔

(البدایہ والنہایہ)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ (۱)

اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انھوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب) انھیں بیعت فرمالیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان ولایعصیننٗ فی معروف (کہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی) کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ ان باتوں میں نوحہ (بین وواویلا وغیرہ) کی ممانعت بھی تھی یعنی کہ وہ مردہ پر بین اور واویلا نہیں کریں گی۔ نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''حالقہ'' اور ''صالقہ'' سے براءت وبیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

حالقہ: وہ عورت ہوتی ہے جو مصیبت کے وقت بال نوچے (یا منڈوادے)

صالقہ: وہ عورت ہوتی ہے جو مصیبت کے وقت بلند آواز سے آہ وبکاء کرے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہل میت کے ہاں لوگوں کے

---

(۱) سورۃ الممتحنہ آیت نمبر ۱۲

اجتماع اور اکٹھا ہونے اور اہل میت کا لوگوں کیلئے کھانا پکانے کو ہم ''نیاحہ'' میں شمار کرتے تھے۔

حالانکہ سنت تو یہ ہے کہ اہل میت (یعنی میت کے گھر والوں) کے لئے کھانا پکایا جائے کیونکہ ان کی مصیبت نے انھیں مصروف ومشغول کر رکھا ہوتا ہے انھیں کھانا پکانے کا ہوش کب ہوتا ہے۔ جس طرح کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمایا جبکہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگِ موتہ میں شہید ہوئے اور ان کی شہادت کی خبر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو دی گئی، تو فرمایا:

اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَاِنَّہٗ قَدْ جَاءَھُمْ مَا یَشْغَلُھُمْ۔ (۱)

آل جعفر (جعفر کے گھر والوں) کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ انھیں ایسی مصیبت در پیش ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا اور سب کچھ بھلا دیا ہے کہ انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں۔

روافض نے تو یوم عاشور کو اظہار غم کے لئے مخصوص طرز عمل ''ماتم'' کو اپنا رکھا ہے۔ جبکہ کچھ دوسرے لوگ (خوارج) خوشی ومسرت کا اظہار کرتے اور یوم عاشورا، ۱۰ محرم کے دن آنکھوں میں سرمہ لگاتے، سرسبز ورنگین کپڑے پہنتے، مصافحہ اور غسل کرتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح کے افعال واعمال بدعت ہیں شریعت اسلامیہ میں انکی کوئی اصل نہیں اور ائمہ مشہورین میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا۔ اس بارے میں خوارج کی طرف سے اس طرح کی روایت بھی ذکر کی گئی ہے:

مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ یَمْرَضْ تِلْكَ السَّنَةِ، وَمَنِ اكْتَحَلَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ یَرْمُدْ ذَالِكَ الْعَامِ۔

کہ جو عاشوراء کے دن غسل کرے گا سارا سال بیمار نہیں ہوگا اور جو آنکھوں میں سرمہ لگائے گا سارا سال اس کی آنکھیں نہیں دکھیں گی۔ جو کہ ثابت وصحیح نہیں بلکہ موضوع ومن گھڑت ہے تاھم عاشوراء کا جو عمل حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے وہ تو

---

(۱) جامع ترمذی کتاب الجنائز باب ۲۱۔ سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۵۹

صرف یہ ہے کہ

اِنَّہٗ صَامَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ وَقَالَ: صَوْمُہٗ یُکَفِّرُ سَنَۃً۔ (۱)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کے دن خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ یوم عاشوراء کا روزہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے یعنی سال بھر کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو ثابت و برقرار رکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عاشوراء کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات عطا فرمائی جبکہ فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ امتوں کے بہت سے مشہور واقعات وحوادث اسی دن (یوم عاشوراء) میں وقوع پذیر اور رونما ہوئے۔ حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا شرف وکرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی عاشوراء کے دن آپ کو مقام شہادت عطا فرمایا

اللہ تبارک وتعالیٰ (کی شان بے نیازی کہ) وہ ایک ہی وقت میں کبھی (کسی کے لئے) نعمتوں کی برسات فرماتا ہے جو شکر کو واجب کرتی ہیں (یعنی جن پر شکر ادا کرنا واجب ہوتا ہے) اور کسی کو آزمائشوں کے ہجوم میں مبتلاء فرما دیتا ہے جو صبر کو واجب کرتی ہے۔ یعنی ان پر صبر واجب ہوتا ہے۔

جس طرح کہ رمضان المبارک کی ۱۷ سترہ تاریخ کہ اسی دن غزوۂ بدر واقع ہوا اور اسی دن حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت وقوع پذیر ہوئی۔ (۲)

---

(۱) مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۰۴، ۳۰۷ صحیح مسلم کتاب الصیام۔

(۲) مشہور اور معتمد روایات کے مطابق حضور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت ۲۱ رمضان المبارک کو وقوع پذیر ہوئی۔ (از مترجم)

اور اس سے بھی بڑھ کر ماہ ربیع الاول شریف میں سوموار کا دن کہ اس دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد شریف ہوا۔ اور اسی دن آپ کی ہجرت ہے اور اسی سوموار کے دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا۔

بندہ مومن کو (کبھی) یوں بھی آزمایا جاتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اُسے کچھ حسنات (اچھائیاں، نعمتیں) عطا کر دی جاتی ہیں جو اسے خوشی و مسرت سے لبریز کر دیتی ہیں۔

اور (اسی وقت کچھ) سیئات (مصائب والام) درپیش ہوتے ہیں جو اُسے ناگوار گزرتے اور غمناک کرتے ہیں تاکہ وہ مصائب والام پر صبر اور نعمتوں پر شکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے صابر وشاکر بن جائے (اور یوں اجر عظیم کا مستحق قرار پائے)۔

الغرض ۹ اور ۱۰ محرم کا روزہ رکھنا مستحب ہے مگر آنکھوں میں سرمہ لگانا وغیرہ مستحب نہیں ہے دیندار لوگوں میں سے جو لوگ اس دن آنکھوں میں سرمہ وغیرہ لگاتے ہیں اور اپنے اس عمل سے اہل بیت اطہار کے ساتھ دشمنی کا ارادہ نہیں کرتے (یعنی اگرچہ اُن کا یہ اور اس طرح کا عمل اظہار مسرت اور زینت وغیرہ کے لئے نہ ہو) پھر بھی وہ اپنے اس عمل میں خطا کار ہیں۔

(یعنی اگرچہ آنکھوں میں سرمہ وغیرہ لگانے سے ان کا مقصد اہل بیت اطہار سے دشمنی ظاہر کرنا نہ ہو تب بھی اس دن ایسا فعل خطاء پر مبنی ہے)

تاہم جو شخص اس دن (یوم عاشوراء) آنکھوں میں سرمہ وغیرہ لگانے کو اہل بیت اطہار سے دشمنی کا ارادہ کرتا ہے (یعنی اس کا آنکھوں میں سرمہ وغیرہ لگا کر اور اس طرح کے دیگر عمل برائے اظہار مسرت کر کے اہلِ بیت اطہار سے دشمنی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور وہ اہلِ بیت اطہار کے مصائب پر خوش ہوتا ہے۔ اور ان کے مصائب پر اظہار مسرت کے لئے اس

طرح کے عمل کرتا ہے اور ان کے ذریعے صحت یابی اور شفاء چاہتا ہے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت اور تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی بھی لعنت ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شکایت پیش کی کہ کچھ قریشی لوگ ہم بنی ہاشم سے اعراض کرتے اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں (تو فرمایا)۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَایَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یُحِبُّوْکُمْ مِنْ اَجْلِیْ۔ (۱)

خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے جب تک کہ وہ میری وجہ سے تم سے محبت نہ کریں۔

نیز فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ بَنِیْ کِنَانَۃَ . وَاصْطَفٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ مِنْ قُرَیْشٍ ، وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِم۔ (۲)

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور انھیں فضیلت دی اور قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو فضیلت دی۔

علاوہ ازیں یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

(۱) الفاظ میں کچھ اختلاف کیساتھ اس حدیث کو درج ذیل کتب حدیث میں ملاحظہ فرمائیے۔ مسند امام احمد، سنن ترمذی، سنن نسائی، مستدرک للحاکم ج ۴ ص ۷۵۔ سنن ابی ماجہ:۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) حدیث کا آغاز یوں ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسماعیل، واصطفیٰ من ولد اسماعیل بنی کنانۃ واصطفی من بنی کنانۃ قریشا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فضیلت دی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد......

اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْ کُمْ بِہٖ مِنْ نِعْمَۃٍ، وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ۔ (۱)

لوگو! خدا سے محبت رکھو کیونکہ (وہ تمہارا رب ہے اور) تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھے محبوب رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو۔

یہ ایسا وسیع موضوع ہے جس میں آیات واحادیث اور اقوالِ علماء کا وافر و ذخیرہ موجود ہے۔

..... میں سے بنی کنانیہ کو فضیلت دی اور بنی کنانیہ میں سے قریش کو فضیلت دی۔ الخ: صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث رقم ۱، ترمذی المناقب باب ۱۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷۔

امام سیوطی اسے جامع صغیر میں لائے ہیں (حدیث رقم ۱۶۸۳) اور حدیث کی نسبت ترمذی کی طرف کی ہے جنھوں نے اسے حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی نے بھی حدیث کی تصحیح کی ہے اور امام ترمذی کہتے ہیں۔ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔ حدیث صحیح ہے۔

(۱) ترمذی المناقب میں اور حاکم نے مستدرک میں فضائل اہل بیت میں اس حدیث کو بیان کیا اور دونوں نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص میں اسے برقرار رکھا ہے (یعنی حاکم کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے) امام سیوطی بھی جامع صغیر میں حدیث رقم ۲۲۴ لائے۔ ترمذی اور حاکم کی طرف نسبت کی ہے اور صحیح ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

بدع وضلالات..... بدعتیں اور گمراہیاں

اس مضمون کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ ایک اسلامی بھائی ایک جزء (کتاب) لائے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ساداتِ اہل بیت اطہار (سرداران اہل بیت اطہار) کا ذکر تھا۔ نیز اس میں امام منتظر حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مشہد (تشریف فرما ہونے کی جگہ) کے لئے نذور (نذر ماننے) کا ذکر بھی درج تھا۔

اس میں اہل بیت اطہار کے فضائل اور حقوق وواجبات کا ذکر تھا جو سرورِ قلب اور شرح صدر کا باعث بنا، اس بارے میں کلام بہت طویل ہے جبکہ یہ (مضمون) اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

انساب اور نذور کے متعلق بھی ذکر آیا جبکہ نذور (نذر ماننے) کو دین میں وجوب کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

بایں وجہ نذور وغیرہ کے وجوب کی رائے رکھنے والوں کی بھلائی اور خیر خواہی کیلئے کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ، قَالُوْا لِمَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهٖ، وَلِرَسُوْلِهٖ، وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔ (۱)

دین خیر خواہی کا نام ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کس کی خیر خواہی کریں؟

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان باب ۴۲، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۹۵، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب ۵۹، ترمذی فی البر باب ۱۷، سنن نسائی فی البیعۃ باب ۳۱، مسند دارمی کتاب الرقاق باب ۴۱، مسند امام احمد ج ا ص ۳۵۱، ج ۲ ص ۲۹۷، ج ۴ ص ۱۰۲، ۱۰۳۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی ، کتاب اللہ کی ، رسول اللہ کی ، ائمہ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی ۔(۱)

مذکورہ کتاب میں انساب اور تاریخی حوالہ سے بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔ مثلاً بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ماہِ صفر میں ہوا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب طاہر کا ذکر کچھ یوں ہے،

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن عمرو ابن العلاء بن ھاشم۔

اور یہ کہ حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام نے الرشید (ہارون الرشید، مامونِ الرشید) کے دورِ حکومت میں وصال فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی اس میں متعدد غلطیاں موجود ہیں۔

---

(۱) خیر خواہی کا مطلب (از مترجم)

اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی کا مطلب: اس کی ذات وصفات پر ایمان لانا اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اور حقیقت میں یہ اپنے آپ سے خیر خواہی یعنی اپنی ہی خیر خواہی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی خیر خواہی سے مستغنی و بے نیاز ہے،

کتاب اللہ سے خیر خواہی: اس پر ایمان لانا، تعظیم کرنا، اس کی آیات کی تلاوت اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

رسول اللہ سے خیر خواہی: آپ کی نبوت پر ایمان لانا، آپ کی تعظیم وتوقیر کرنا، آپ سے محبت کرنا اور آپ کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔

ائمہ مسلمین سے خیر خواہی: حکام ہوں تو نیکی میں ان کی اطاعت، علما مجتہدین ہوں تو ان کی تقلید کرنا۔

تمام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ خیر کی طرف ان کی رہنمائی کرے، مصیبت وتکلیف میں ان کے کام آئے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی اور جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔

حالانکہ اہلِ علم کے ہاں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ماہِ ربیع الاول شریف میں ہوا۔ اور یہی ماہ ربیع الاول شریف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میلاد پاک کا مہینہ اور آپ علیہ السلام کی ہجرت کا مہینہ ہے نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال مبارک سوموار (پیر) کے دن ہوا۔ اور اسی دن (سوموار کے دن) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد پاک ہوا اور اسی دن آپ علیہ السلام پروحی کے نزول (کا آغاز) ہوا۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد ہاشم (۱) بن عبد مناف ہیں۔ اور انہی حضرت ہاشم کا نام عمر تھا اور انہی کو عمرو العلاء کہا جاتا تھا۔ جس طرح کہ شاعر نے (اپنے مندرجہ ذیل شعر میں) کہا ہے۔

عمر العلا ھشم الثرید لقومہ
ورجال مکۃ مسنتون عجاف

عمر العلاء حضرت ہاشم، اپنی قوم کے لئے روٹی کو توڑ کر شوربے میں تر کر کے ثرید بناتے (اور انھیں کھلاتے) جبکہ مکہ مکرمہ کے لوگ (قحط سالی کے باعث) بے سروسامانی کے عالم میں تھے اور کھانا تک میسر نہ تھا۔

اور حضرت ابو عبد اللہ سیدنا امام جعفر الصادق علیہ السلام نے ۱۴۸ھ میں وصال فرمایا۔ جبکہ ان دنوں ابی جعفر منصور کا دورِ حکومت تھا۔

رہی بات امام منتظر حضرت امام مہدی علیہ السلام کی تو اہل بیت اطہار کے انسابِ طاہرہ کو جاننے والے ایک طبقہ نے بیان کیا ہے کہ

(۱) حضرت ہاشم، عمرو، روٹیوں کا چورا کرنے والے (از مترجم)

جب سامراء کے ایک محلہ (۱) عسکر میں حضرت سیدنا امام حسن بن علی العسکری کا وصال ہوا تو آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد (بیٹا، پوتا، نسل وذریت) نہیں چھوڑی۔ اور جس طبقہ نے آپ کے لئے اولاد ثابت کی ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ جب ۲۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا تو آپ کے ایک بیٹے موجود تھے جن کی عمر صرف دو سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ اور وہ اسی وقت غائب ہو گئے تھے۔ اور اسی وقت سے وہ اہلِ زمین پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ ان کے بغیر ایمان (یعنی ان پر ایمان لائے بغیر) مکمل نہیں ہوتا۔ اور وہی حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں جن کی خبر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ اور دین میں جن اُمور کی ضرورت واحتیاج ہے وہ ان تمام اُمور کو جانتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حقیقت کی تلاش وجستجو کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہدایت واعانت (رہنمائی وامداد) کا طلبگار رہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بغیر علم کے بات کرنے اور خلافِ حق بات کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اور خواہشات نفس کی پیروی سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے (یعنی بغیر علم بات کرنے، خلافِ حق بات کرنے اور خواہشات نفس کی پیروی کرنے) کو شیطان کے قدموں کی پیروی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کی آیات طیبات اس پر شاہد عدل ہیں۔

احادیث میں حضرت سیّدنا امام مہدی علیہ السلام کی بشارت

ہاں حضرت سیدنا امام مہدی علیہ السلام کی بشارت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں دی ہے اور ان احادیث مبارکہ کو ابوداؤد، ترمذی، امام

(۱) عسکر، سرمن رائے (سامراء) کے ایک محلے کا نام ہے۔ عباسی بادشاہ معتصم اس مقام پر فوج (عسکر) لشکر رکھتا تھا۔ اس لئے اس محلہ کو عسکر کہتے تھے، امام حسن عسکری یہاں رہنے کی وجہ سے ہی عسکری مشہور ہوئے (از مترجم)

احمد وغیرہ جیسے محدثین نے روایت کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی معرفتہ تامہ رکھنے والے، احادیث کے حافظ اور روایات اور ان کے راویوں کی جانچ پرکھ کی مہارت کاملہ رکھنے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ اللهُ فِيْهِ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ، يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِيْ، وَ اسْمُ اَبِيْهِ اسْمَ اَبِيْ، يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَ جَوْرًا۔ (۱)

اگر دنیا کے رہنے میں صرف ایک دن بھی باقی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دن میں میری اہل بیت سے ایک آدمی کو مبعوث فرمائے گا۔ اس کا نام میرے نام کے موافق یعنی ''محمد'' ہوگا۔ اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق (یعنی عبداللہ) ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے کہ پہلے وہ ظلم وستم اور زیادتیوں سے بھری ہوگی۔

(۱) اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے الفاظ میں معمولی اختلاف ہے مفہوم تقریباً یکساں ہے۔ ترمذی کے الفاظ ہیں ''لا تذهب الدنيا حتى يملك رجل من اهل بيتي ''۔ الحدیث امام احمد اور ابوداؤد نے اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ سیوطی اسے جامع صغیر میں لائے حدیث رقم ۷۴۹۰ اور امام ترمذی نے کہا: حسن صحیح حدیث حسن صحیح ہے۔ امام مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں اس حدیث کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث میں رافضیوں (شیعوں) کے اس قول کا رد ہے کہ امام مہدی ابوالقاسم محمد الحجۃ بن امام ابی محمد الحسن الخالص ہیں اور وہ مہدی المنتظر ہیں۔ یہ قول اس لئے مردود ہے کہ اگرچہ ان کا اپنا نام حضور علیہ السلام کے نام پر یعنی محمد ہے مگر انکے باپ کا نام (حسن) حضور علیہ السلام کے باپ کے نام (عبداللہ) کے موافق نہیں ہے۔ دیکھئے فیض القدیر ۵: ۳۳۲

حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ سے بھی اس معنیٰ کی روایت موجود ہے۔

حضور مولائے کائنات حضرت امام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے:

اَلْمَھْدِیُّ مِنْ وُلْدِ اِبْنِیْ ھٰذَا. وَ اَشَارَ اِلَی الْحَسَنِ۔ (۱)

کہ آپ نے اپنے بیٹے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: امام مہدی میرے اس بیٹے (یعنی امام حسن) کی اولاد میں سے ہوں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

یَکُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ خَلِیْفَةٌ یَحْثُوا الْمَالَ حَثْوًا (۲) وَھُوَ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

آخری زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال بانٹے گا، لپ بھر بھر کر مال دے گا (اور اسے گنے گا نہیں) (۳) یہ حدیث صحیح ہے۔

---

(۱) جن ماٰخذ ومصادر تک میری رسائی تھی اُن میں مجھے ان الفاظ پر واقفیت وآگاہی حاصل نہیں ہو سکی تاہم اس معنیٰ کی احادیث مجھے ملی ہیں۔ (یعنی الفاظ تو یہ نہیں مگر معنیٰ یہی ہیں) جن میں حضرت سیدہ اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جسے ابن ماجہ لائے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: المھدی من عترتی من ولد فاطمہ امام مہدی میری اہل بیت اولاد فاطمہ سے ہوں گے اور امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: المھدی منا اھل البیت یصلحه اللہ فی لیلة۔ امام مہدی ہم اہل بیت سے ہوں گے اللہ تعالیٰ (ان کے سبب سے) ایک رات میں اصلاح کرے گا۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفتن باب ۱۸، احادیث رقم ۶۷، ۶۸، ۶۹

(۳) وہ آخری خلیفہ ہیں حضرت امام مہدی علیہ السلام جو دیگر بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ نہایت ہی کریم اور سخی بھی ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر بھی دی ہے کہ ان کا نام نامی اسم گرامی محمد بن عبداللہ ہوگا۔ محمد بن حسن نہیں ہوگا۔

اور جس نے یہ تاویل کی ہے کہ ان (محمد بن حسن عسکری) کے جد امجد حضرت امام حسین ہیں جن کی کنیت ابو عبداللہ ہے اس نے کنیت کو ان کا نام بنادیا ہے۔ پس جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہے اس پر یہ امر مخفی وپوشیدہ نہیں کہ یہ تو تحریف للکلم عن مواضعه

یعنی: کلام کو اس کے اصل جگہوں اور ٹھکانوں سے بدل دینا ہے۔

نیز یہ از قسم تاویلاتِ قرامطہ ہے۔

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان مبارک بالکل واضح ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام حسنی یعنی حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے۔ حسینی یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہوں گے۔

حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کی نبیوں سے مشابہت

حضرت سیّدنا امام مہدی علیہ السلام حضرت سیّدنا امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے اس کی وجہ اور حکمت یہ ہے کہ امامین کریمین حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اگرچہ نبی نہیں تاہم بعض وجوہ واعتبارات سے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین کے لئے یوں تعویذ کرتے اور فرماتے:

أُعِيذُ كُمَا بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔ (۱)

میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے پورے کلموں کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور ہر زہریلے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب ۱۰۔ ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۲۰۔ ترمذی فی الطب باب ۱۸۔ ابن ماجہ فی الطب باب ۳۶۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۳۶۔ ۲۷۰۔

موذی جانور سے اور ہر ایک نظرِ بد سے۔

اور فرماتے: اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ يُعَوِّذُ بِهِمَا اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ۔

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی کلمات کے ساتھ (اپنے دونوں بیٹوں) حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے تعویذ فرماتے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی جناب حضرت سیّدنا اسحاق علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت

حضرت سیّدنا اسحاق علیہ السلام حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السلام سے چھوٹے تھے۔ یونہی حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت امام حسن علیہ السلام سے چھوٹے تھے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی غالب اکثریت حضرت سیدنا اسحاق علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت واولاد میں سے ہے۔ یونہی ائمہ اہل بیت اطہار کی غالب اکثریت حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذریت واولاد میں سے ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی جناب حضرت سیّدنا اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت

حضرت سیدنا اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت سیدنا اسحاق علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑے اور زیادہ حلم والے تھے۔ یونہی حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام سے بڑے اور حلیم تھے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منبر شریف پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ بیان واعلان فرمایا:

اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَ سَیُصْلِحُ اللّٰہُ بِہٖ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (۱)

کہ میرا یہ بیٹا (حسن) سید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

سرکارِ دو عالم حضور خاتم الانبیاء (آخری نبی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کا حکم و حکومت زمین کے مشارق و مغارب اور چار دانگ عالم میں نافذ و جاری ہے، (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ذریت و اولاد میں سے ہیں۔ اسی طرح خلیفہ راشد، خاتم الخلفاء اور آخر الخلفاء (آخری خلیفہ) حضرت امام مہدی علیہ السلام حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کی ذریت و اولاد میں سے ہوں گے۔

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلح باب ۹۔ فضائل اصحاب النبی باب ۲۲۔ کتاب الفتن باب ۲۰، کتاب المناقب باب ۲۵، ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۲، وفی المہدی باب ۸، ترمذی کتاب المناقب باب ۳۰، نسائی کتاب الجمعۃ باب ۲۷۔

حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت

حسنین کریمین علیہما السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظاہری و باطنی مشابہت رکھتے تھے۔

ظاہری مشابہت:

چنانچہ سنن ترمذی میں ہے، الحسن اشبہ برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما بین الصدر الی الراس۔

امام حسن سینے سے لے کر سر تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بہت مشابہ اور امام حسین سینے سے لے کر پاؤں تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

سیّدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اسی کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں: ع

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک

اور روایات میں یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ دونوں شہزادے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شکل وصورت میں بھی اتنی زیادہ مشابہت رکھتے تھے کہ اگر دونوں کو ملاتے تو پتہ چلتا کہ دونوں آپ کی تصویریں ہیں۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب بریلوی فرماتے ہیں: ع

ذات حسن حسین ہے عین شبیہ مصطفیٰ

ذات ہے اک نبی کی ذات ہیں یہ اسی کے نام دو

پیر سیّد نصیر الدین نصیر گیلانی کیا خوب فرماتے ہیں: ع

کھلتا نہیں حسین وحسن ہیں کہ مصطفیٰ

کچھ فرق ہو نصیرؔ تو کوئی پتہ چلے

جنید نسیم سیٹھی (واہ کینٹ) نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں:

سر سے سینے تک حسن، سینے سے پاؤں تک حسین

دونوں شہزادوں میں ہے جلوہ نمائی آپ کی

باطنی مشابہت:

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو جہاں کے سردار ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین علیہما السلام کی اماں پاک کو جنت کی عورتوں کی سردار اور خود حسنین کریمین علیہما السلام کو جنت کے جوانوں کا سردار قرار دیا ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

فاطمة سیّدة نساء اهل الجنة وان الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة۔

حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرت حسن وحسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ثابت ہوا کہ سیّدنا امام مہدی علیہ السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں، لہذا محمد بن حسن عسکری، امام مہدی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تو امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ پھر امام مہدی علیہ السلام کا اسم گرامی محمد ابن عبداللہ ہوگا۔ علاوہ ازیں (یہ نکتہ بھی قابل غور ہے) کہ جس کی اپنی عمر (باپ کے وصال کے وقت) دو سال ہو، کتاب وسنت کے حکم کے مطابق وہ تو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو گود میں لیا جائے اور اس کی پرورش وتربیت کی جائے اور اس کے مال کی حفاظت کی جائے۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور اس سے دانائی ٹپکنے لگے (محسوس ہونے لگے) کیونکہ وہ یتیم ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ج.....(سورۃ النساء آیت نمبر ۶)

ان الحسن والحسین هما ریحانتای من الدنیا۔

بے شک حسن وحسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسنین کریمین کو اپنے دو پھول قرار دینا، ان کی آپ کے ساتھ باطنی و روحانی مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔

نیز فرمایا: من احب الحسن والحسین فقد احبنی و من ابغضهما فقد ابغضنی۔

جس نے حسن وحسین کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حسنین کریمین سے باطنی اور روحانی مشابہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک کی محبت دوسرے کی محبت اور ایک سے بغض وعناد دوسرے سے بغض وعناد ہے، حسنین کریمین سے محبت کرنا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور حسنین کریمین سے بغض وعناد اور دشمنی رکھنا، آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بغض وعناد اور دشمنی رکھنا ہے۔

اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو انھیں ان کے مال۔

تو آپ خود فیصلہ کیجئے کہ شریعت اسلامیہ جسے اس کے ذاتی امور تفویض و سپرد نہیں کرتی اُسے اُمورِ اُمت کیسے سپرد کئے جاسکتے ہیں؟

اور پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ امت کا امام ہو وہ جسے نہ دیکھا جاسکے اور نہ ہی اس کی خبر سنی جاسکے؟ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسے (امیر وامام) کی اطاعت کا مکلف نہیں بنایا جس تک پہنچنے کی قدرت ہی نہ رکھتے ہوں۔

اور جو لوگ سرمن رائے کے ایک غار کے باہر ان کا انتظار کررہے ہیں انھیں انتظار کرتے کرتے (۴۴۰) چار سو چالیس برس (۱) گذر چکے میں ہیں مگر وہ باہر نہیں آئے کیونکہ وہاں ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔

مقام حیرت ہے کہ اپنے آباء واجداد کے طریقہ کے برعکس اپنے خواص ومعتمد علیہ ساتھیوں کے لئے بھی ظاہر نہیں ہوئے تو اپنے آباء واجداد کے طرز عمل کے برعکس ان کی اس زبردست پوشیدگی (اختفاء شدید) کا سبب کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم وجدید کے عقلاء ہمیشہ سے ان لوگوں پر ہنستے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں جو اس طرح کے عقیدوں کا اثبات کرتے اور اپنے دین کو ان کے ساتھ معلق کرتے ہیں حتی کہ اس طرح کے عقیدوں کی وجہ سے زنادقہ (بے دین لوگوں) کو دین وملت

---

(۱) حاشیہ از مترجم: ابن تیمیہ کا سن وفات ۷۲۸ ہجری ہے اس نے اپنے وقت کے اعتبار سے کہا کہ ۴۴۰ برس گزر چکے ہیں کیونکہ حضرت امام حسن عسکری کا وصال مبارک ۲۶۰ ہجری میں ہوا۔ اور تب سے ان کے بیٹے کی غیبوبت (غائب ہونے) کا عقیدہ اپنایا اور گڑھا گیا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اب دم تحریر ۱۴۳۲ ہجری ہے لہذا اب تو ۱۱۷۲ برس بیت چکے ہیں مگر وہ اس غار سے باہر نہیں آئے کیونکہ وہاں ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ (مترجم)

میں قدح (عیب نکالنے) کا موقع ملتا ہے اور وہ اس طرح کا اعتقاد رکھنے والے لوگوں کی عقل وسمجھ پر افسوس کا اظہار کرتے اور مذاق اُڑاتے ہیں۔

اہل معرفت بہت سے ایسے بے دین لوگوں سے واقف وآگاہ ہیں جو اس طرح کی باتوں کے اظہار سے ڈرتے اور خوف رکھتے ہیں۔ بایں وجہ ان بے دین لوگوں نے تقیہ کا عقیدہ فاسدہ گھڑ لیا ہے تا کہ ضعفاء (ضعیف الاعتقاد) اور اہل اہواء (بدمذہب، بدعتی لوگوں) کے قلوب واذہان ان کی طرف مائل رہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُمورِ امت میں فساد پیدا ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔نہ ہمارے پاس گناہوں سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی استطاعت وطاقت مگر اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق کے ساتھ جو بلند مرتبہ عظمت والا ہے۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُمورِ اُمت (امت مسلمہ کے معاملات) کی اصلاح فرمائے اور ان میں بہتری عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو رشد وہدایت سے ہمکنار فرمائے رکھے۔

مساجد و مزارات کے لئے نذر ماننا

مذکورہ کتاب کا جو حصہ مساجد و مشاہد کے لئے نذر ماننے سے متعلق ہے اب اس پر گفتگو کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ کے ذریعے جسے اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار نے بیان کیا ہے، مسجدوں کو آباد کرنے کا حکم فرمایا ہے اور حسبِ امکان ان میں اقامت صلواۃ ، نمازوں کے قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ایسا کرنے والے (یعنی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے) کو لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓـئِكَ اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ ۞ (۱)

صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے۔

اور فرمایا:

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓـئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ ؕ..... (۲)

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے

(۱) سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۸ (۲) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۴

ان میں اس کے نام (پاک) کا اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں انھیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں مگر ڈرتے ڈرتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ لا يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ رِجَالٌ لا لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ لا .... (۱)

ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کئے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام، اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح وشام وہ (جواں) مرد جنھیں غافل نہیں کرتی تجارت اور خرید وفروخت یادِ الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے۔

اور فرمایا:

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۞ (۲)

اور بیشک سب مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی

نیز فرمایا:

وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط .... (۳)

اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سورۃ النور آیت نمبر ۳۶

(۲) سورۃ الجن آیت نمبر ۱۸

(۳) سورۃ الحج آیت نمبر ۴۰

مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (۱)

جو شخص اللہ (کی رضا جوئی) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

رات کی تاریکی (اندھیری رات) میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے دن نورِ تام (مکمل روشنی) کی بشارت وخوشخبری دے دو۔

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ. اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلًا كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ۔ (۳)

جو شخص صبح یا شام کو مسجد میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کے لئے صبح یا شام کی ضیافت تیار کر رکھی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی مہمانی کا سامان بنائے گا)

نیز فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْمَسْجِدِ تَفْضُلُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِي بَيْتِهٖ وَسُوْقِهٖ بِخَمْسٍ وَّ

(۱) صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث ۳۴، ۳۵۔ وفی المسافرین حدیث ۱۰۳، وفی الزہد حدیث ۴۳، ۴۴، بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۶۵، ابوداؤد کتاب التطوع باب ۱، ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲۰، ۱۸۹، ۲۰۳، نسائی کتاب المساجد باب ۱، قیام اللیل باب ۶۶، ۶۷، ابن ماجہ فی الاقامۃ باب ۱۰۰، ۱۸۵، وفی المساجد باب ۹، ۱ وفی التجارات باب ۴۰، دارمی فی الصلوۃ باب ۱۱۳، مسند امام احمد ج ۱، ۲، ۶، ج ۱ ص ۲۰، ۲، صفحات متعددہ

(۲) سنن ابن ماجہ کتاب المساجد باب ۱۴

(۳) صحیح بخاری۔ کتاب الاذان باب ۳۷، مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۰۹

عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔(۱)

مرد کا مسجد میں نماز پڑھنا، اپنے گھر یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس ۲۵ درجہ افضل ہے۔

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهٖ فَاَحْسَنَ الطُّهُوْرَ ، وَ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يَنْهَزُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ كَانَتْ خُطُوَتَاهُ اِحْدَاهُمَا تَرْفَعُ دَرَجَةً وَالْاُخْرٰى تَضَعُ خَطِيْئَةً۔(۲)

جب کوئی شخص اپنے گھر میں اچھی طرح وضوء کر کے مسجد کی طرف چلے بجز نماز کے اور کوئی چیز اُسے نہ لے جائے تو وہ جو قدم بھی اُٹھائے گا اس کے دو قدموں میں سے ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور دوسرے پر ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ وَحْدَهٗ وَ صَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ ، وَمَا كَانَ اَكْثَرَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔(۳)

ایک آدمی کا دوسرے آدمی سے مل کر نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاذان باب ۳۰، ۳۱، ترمذی کتاب المواقیت باب ۴۷، نسائی کتاب الصلاۃ باب ۲۱، وفی الامامۃ باب ۴۲، ابن ماجہ کتاب المساجد باب ۱۶، مؤطا امام مالک کتاب الجماعۃ حدیث ۱، مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۷۶۔ ج ۲۔ ج ۳ صفحات متعددہ

(۲) صحیح بخاری کتاب البیوع باب ۴۹، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۲، وفی المساجد حدیث ۲۷۲، ابوداؤد من الصلاۃ باب ۴۸، نسائی فی المساجد باب ۶، ابن ماجہ فی الطہارۃ باب ۶ وفی المساجد باب ۱۴، مسند امام احمد ج ۲ ص ۱۷۶۔ ۲۵۲

(۳) مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۵، سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۴۷، نسائی کتاب الامامۃ باب ۴۵

اور بہتر ہے۔ اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا (یعنی نماز باجماعت) ایک آدمی سے مل کر نماز سے بہتر ہے۔ اور دو آدمیوں سے زیادہ (نماز باجماعت) میں لوگوں کی جتنی کثرت ہوگی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں اتنی ہی زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوگی۔

نیز فرمایا:

سَیَکُونَ عَلَیکُم اُمَرَاءُ یُؤَخِّرُونَ الصَّلَاۃَ عَن وَقتِهَا، فَصَلُّوا الصَّلَاۃَ لِوَقتِهَا، ثُمَّ اجعَلُوا صَلَاتَکُم مَعَهُم نَافِلَۃً۔ (۱)

عنقریب تم پر ایسے حکمران (مسلط) ہوں گے جو نمازوں کو ان کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھائیں گے پس تم اپنی نماز بروقت پڑھ لیا کرنا، پھر ان کے ساتھ نماز پاؤ تو بطور نفل شریک ہو جانا۔

اور فرمایا: یُصَلُّونَ لَکُم، فَاِن اَحسَنُوا فَلَکُم وَاِن اَسَاءُوا فَلَکُم وَعَلَیهِم

وہ تمھیں نماز پڑھائیں گے (امامت کریں گے) اگر ٹھیک طور سے (شرائط وآداب کے ساتھ) نماز پڑھائیں گے تو تمھیں اور انھیں دونوں کو ثواب ملے گا اور اگر غلطی کریں گے تو تمھیں ثواب مل جائے گا اور وبال اُن پر پڑے گا۔ اور یہ باب بہت وسیع ہے۔

حضور نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الیَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ اَنبِیَائِهِم مَسَاجِدَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث ۲۴۱، ۲۴۳، نسائی کتاب الامامۃ۔ ابن ماجہ کتاب الاقامۃ باب ۱۵۰، دارمی کتاب الصلاۃ باب ۲۵۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ۶، ص ۷

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب ۴۸، ۵۲، کتاب الجنائز باب ۹۶، کتاب الانبیاء باب ۵۰، کتاب اللباس ۱۹، کتاب المغازی باب ۸۳، صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳۔....

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد گرامی اپنے مرض وصال میں ارشاد فرمایا۔

درآں حالیکہ آپ علیہ السلام ان (یہود) کے افعال سے ڈراتے تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا خیال نہ ہوتا تو آپ اپنی قبر مبارک کو ظاہر فرما دیتے مگر آپ علیہ السلام ناپسند فرماتے کہ اسے سجدہ گاہ بنالیا جائے۔ (مگر آپ علیہ السلام اسے سجدہ گاہ بنالئے جانے کو ناپسند فرماتے۔)

اور وصال مبارک سے پانچ دن قبل آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (۱)

تم سے پہلے لوگ (اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی) قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے۔

سنو! خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

اور جب کنیسۃ الحبشہ، حبشہ کے ایک گرجے کا ذکر کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ اِذَا مَاتَ الرَّجُلُ فِيْهِمْ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ۔ وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ التَّصَاوِيْرَ، اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

.... ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۷۲، ۷۸، ترمذی کتاب الصلاۃ باب ۱۲۱، نسائی فی المساجد باب ۱۳، کتاب الجنائز باب ۱۰۶، مؤطا امام مالک کتاب السفر حدیث ۸۵، وفی المدینۃ حدیث ۱۷، دارمی کتاب الصلاۃ باب ۱۲۰، مسند امام احمد ج ۱، ۲، ۵، ۶، صفحات متعددہ

اس حدیث پر بحث اور اس کا اصل مفہوم ص ۳۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

---

(۱) گذشتہ روایت کے حوالے ہی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۴۸، ۵۴، کتاب الجنائز باب ۷۰۔ کتاب مناقب الانصار باب ۳۷، مسلم کتاب المساجد حدیث ۱۶، کتاب الفتن حدیث ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۳۱ نسائی کتاب المساجد باب ۱۳

ان لوگوں کا وہی حال تھا کہ جب ان میں کوئی (نیک) آدمی مرجاتا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے اور اس میں تصاویر آویزاں کر دیتے یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین لوگ ہوں گے۔

یہ تمام احادیث مبارکہ مشاہیر کتب صحاح میں موجود ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ. وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَغَیْرُہٗ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اُن عورتوں پر لعنت کی جو قبروں کی بہت زیادہ زیارت کریں (اکثر قبرستان جایا کریں وہاں رویا پیٹا کریں) اور ان لوگوں پر بھی جو قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں (قبروں کی طرف سجدہ کریں یا قبروں کو مسجد بنائیں) اور وہاں چراغ لٹکائیں۔

اس کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا اور کہا۔ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں پر لعنت فرمارہے ہیں جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے اور ان پر چراغ لٹکاتے ہیں تو پھر ایک مسلمان کے لئے اس عمل کو طاعت وعبادت قرار دینا کیسے حلال و جائز ہوگا۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم فَاَمَرَنِیْ اَلَّا اَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتُہٗ وَلَا تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتُہٗ۔ (۲)

(۱) ترمذی کتاب الجنائز باب ۶۱، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۴۹، مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۳۷، ۳۵۶ ج ۳ ص ۴۴۳

(۲) صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث ۹۳، ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۶۸، ترمذی کتاب الجنائز باب ۵۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۹۹، مسند امام احمد ج ۱ ص ۸۷، ۹۶، ۱۲۹، ۱۳۸، ۱۴۵

ان تمام احادیث کا اصل مفہوم سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے ص ۳۹ بعنوان پیش کردہ احادیث اور ان کے صحیح مفاہیم ومطالب۔

کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ حکم دے کر بھیجا کہ میں ہر اونچی قبر کو (زمین کے) برابر کردوں اور ہر تصویر کو مٹادوں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ۔(۱)

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے۔

نیز فرمایا: لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ ۔فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ۔(۲)

میری قبر کو عید نہ بنانا، اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمھارا درود شریف مجھے پہنچ جاتا ہے۔

پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قبر کے پاس اجتماع سے منع فرمایا۔ (۳) اور تمام جگہوں (اطراف عالم) سے درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا کیونکہ دنیا کے کسی کونے سے بھی آپ پر درود شریف پڑھا جائے تو وہ آپ کی بارگاہ عالیہ میں پہنچ جاتا ہے۔

اور یہ وہ احادیث ہیں جنھیں ائمہ اہل بیت اطہار نے روایت کیا ہے۔ مثلاً حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام روایت کرتے ہیں اپنے باپ حضرت امام حسین علیہ السلام سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے۔ یونہی حضرت سید عبداللہ المحض بن سیدنا امام حسن مثنیٰ بن حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ بن سیدنا امام علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی سلسلہ اسناد سے

---

(۱) مؤطا امام مالک کتاب السفر حدیث ۸۵۔ مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۴۶

(۲) ابوداؤد کتاب المناسک ۹۶، مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۶۷

(۳) ان تمام احادیث پر تفصیلی بحث ص ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں اتنی بات سمجھ لینی......

روایت کرتے ہیں۔

چنانچہ ائمہ اہل بیت عظام اور ان کے ہم عصر علماء مدینہ نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی فرمانبرداری اور پیروی کرتے ہوئے اور آپ کی شریعت مطہرہ کی اطاعت ومتابعت کرتے ہوئے بدعتوں سے منع کیا ہے خواہ آپ کی قبر انور کے پاس ہوں یا کسی اور قبر کے پاس کی جائیں۔

کیونکہ قبور انبیاء وصالحین اور ان کی تصاویر ومجسمات کے گرداگرد گھومنا اور چکر لگانا اور جم کر بیٹھ جانا اگرچہ بغیر عبادت کے ہو، اوثان واصنام پرستی کے اسباب میں سے ایک سبب اور اس کا نکتۂ آغاز بن سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم قرآن مجید میں مشرکین کے سرداروں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ان کا کہنا تھا،

......ضروری ہے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قبر انور پر اجتماع سے منع نہیں فرمایا بلکہ حاضری کے آداب سکھلائے ہیں۔

چنانچہ علمائے دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ اس حدیث ''لا تجعلوا قبری عیدا الخ،، کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، خوشیاں کرنا، زینت وآرائش اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا، یہ سب منع ہے کیونکہ زیارت قبور عبرت اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے ہے نہ کہ غفلت اور زینت کے لئے۔ یہ معنی نہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ قافلوں کا روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زیارت قبور اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ)

ثابت ہوا کہ عید سے مراد اجتماع یا قبر پر جمع ہونا نہیں ہے اسی لئے مدینہ طیبہ کی طرف اکناف عالم سے مسلمان اُمڈتے ہوئے سیلاب کی طرح جاتے اور روضہ پاک کے پاس جمع ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں۔

.....لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۞ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ج.....۔ (سورۃ نوح آیت نمبر ۲۳)

اور رئیسوں نے کہا: (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) وَدّ اور سواع کومت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو اور انھوں نے گمراہ کردیا بہت سے لوگوں کو۔

علماء سلف کے ایک طبقہ نے روایت کیا ہے کہ یہ صالحین (نیک لوگ) تھے جب فوت ہوئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر عمارتیں بنالیں پھر ان کے مجسمے (اور بت) بنالئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۞ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۞ (۱)

(اے کفار) کبھی تم نے غور کیا لات وعزی کے بارے میں اور مناۃ کے بارے میں جو تیسری ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لات وہ آدمی تھا جو ستو پیس کر گھی ملا کر حاجیوں کی خدمت میں پیش کرتا اور ستو کا شربت بنا کر انھیں پلایا کرتا تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگ اس کی قبر پر جم کر بیٹھ گئے۔

اسی لئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ۔

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قبر انور کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا

(۱) سورۃ النجم آیت نمبر ۱۹، ۲۰

یہی وجہ ہے جب مسلمانوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حجرہ مقدسہ ومطہرہ تعمیر کیا تو اس کے آخری گوشے کو جھکا دیا اور اُسے کوہان نما (اونٹ کے کوہان کی طرح) بنایا تاکہ کوئی شخص اس کی طرف نماز نہ پڑھے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے:

لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا۔(۱) رَوَاهُ مُسْلِمٌ

قبروں پر بیٹھو نہ ان کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھو۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اہل بقیع کی طرف تشریف لے جاتے تو انھیں سلام کرتے اور ان کے لئے دعا فرماتے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بھی سکھایا اور تعلیم دی کہ جب وہ قبروں کی زیارت کیا کریں تو یوں کہا کریں:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَهْلَ دَارِ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، وَ يَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَكُمُ الْعَافِيَةَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ۔ (۲)

اے جماعت مومنین! السلام علیکم۔ تم پر سلام ہو، ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہوں گے (مل جائیں گے) جو تم سے پہلے جا چکے ہیں اور جو بعد میں

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث ۹۷، ۹۸، ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۷۳، ترمذی کتاب الجنائز باب ۵۷، نسائی کتاب القبلہ باب ۱۱، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۳۵۔ امام سیوطی جامع صغیر میں لائے حدیث ۷۴۷،۹ اور اسے صحیح کہا۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث ۱۰۲، ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۷۹۔ نسائی کتاب الطہارۃ باب ۱۰۹۔ کتاب الجنائز باب ۱۰۳۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۳۶، کتاب الزہد باب ۳۶، موطا امام مالک کتاب الطہارۃ حدیث رقم ۲۸۔

جانے والے ہیں سب پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمھارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما اور ان کے بعد ہمیں فتنہ و آزمائش میں نہ ڈال اور ہماری اور ان کی مغفرت و بخشش فرما۔

حالانکہ بقیع شریف (جنت البقیع مدینہ منورہ کا قبرستان جو دنیا کے تمام قبرستانوں سے افضل) میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں حضرت سیّدتنا ام کلثوم وسیدہ رقیہ اور سیدہ نساء العالمین یعنی سارے جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کی قبریں موجود ہیں اور آپ علیہ السلام کی صاحبزادیوں میں سے ایک (حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا) بہت پہلے یعنی غزوہ بدر کے قریب بقیع شریف میں دفن ہوئیں۔ اس کے باوجود ان سادات وسیدات کی قبور مقدسہ پر منکرات وممنوعات میں سے کسی چیز کو ایجاد نہیں کیا گیا بلکہ ان پر سلام کرنا اور ان کے لئے دعا واستغفار (مغفرت و بخشش طلب کرنا) وغیرہ کو مشروع و جائز قرار دیا گیا۔

یونہی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دور و نزدیک سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ۔

قَالُوا : كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ يَعْنِي بُلِيتَ۔ قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (1)

(1) ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب ۲۰۱، کتاب الوتر باب ۲۶، نسائی کتاب الجمعہ ۵، ابن ماجہ کتاب الاقامۃ باب ۷۹۔ کتاب الجنائز باب ۶۵، دارمی کتاب الصلاۃ باب ۲۰۶، مسند امام احمد ج ۴ ص ۸۔

جمعہ کے دن اور رات مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو یقینا تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا؟ جبکہ آپ تو انتقال فرما چکے ہوں گے؟

تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے جسموں کو کھائے۔

نیز فرمایا: مَا مِنْ رَجُلٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ الرَّجُلِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهُ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (۱)

جو کوئی شخص کسی ایسے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے، جو دنیا میں اُسے جانتا پہچانتا تھا، پھر اس پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ سب احادیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی معرفت رکھنے والے (محدثین کرام) سے ثابت ہیں اور ان محدثین کرام نے انھیں روایت کیا ہے۔

دعا و استغفار میت کی قبر کے پاس ہو یا قبر سے دور اس کا (فائدہ) میت کو پہنچتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ فوت شدہ مسلمانوں کے لئے دعائیں کرتا رہے جس طرح کہ وہ ان کی زندگی میں ان کے لئے دعائیں کرتا رہتا تھا۔

خود رسول کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ان

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب المناسک ۹۶، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جو کوئی مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ امام سیوطی نے اسے جامع صغیر حدیث ۷۶۸۹ میں ذکر کیا ہے۔

کی زندگی (ظاہری حیات طیبہ) میں بھی اور ان کے وصال کے بعد بھی ہم ان پر اور ان کے اہل بیت اطہار پر درود شریف بھی پڑھتے رہا کریں اور خوب سلام بھی پڑھا کریں۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ حکم بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلیئے دعا کرتے رہا کریں ان کی زندگی میں بھی اور ان کی موت کے بعد بھی، ان کی قبروں کے پاس جا کر بھی (ان کی قبروں پر جا کر بھی) اور قبروں سے دور ہونے کی صورت میں بھی۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں یا مخلوق کے گھر یعنی آپ علیہ السلام کی قبر انور کو اللہ کے گھر یعنی الکعبۃ البیت الحرام کے ساتھ تشبیہ دیں۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم اس کے گھر کا حج کریں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اس کا طواف کریں۔ اور ہمارے لئے جائز قرار دیا ہے کہ ہم اس کے ارکان کا استلام کریں اور حجرِ اسود کا بوسہ لیں اور اُسے چومیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُسے اپنے دائیں ہاتھ کا درجہ دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ، فَمَنْ اِسْتَلَمَهٗ وَصَافَحَهٗ فَكَاَنَّمَا صَافَحَ اللّٰهَ وَقَبَّلَ يَمِيْنَهٗ۔

حجر اسود زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے جس نے اس کا استلام کیا بوسہ دیا چوما اور اس سے مصافحہ کیا گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کیا اور اس کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیا اور اسے چوما۔

اور کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھانے اور غلاف کعبہ اور اس کے پردوں کے ساتھ لٹکنے

اور چمٹنے (تعلیق) کو جائز قرار دیا ہے۔ اور غلافِ کعبہ کے ساتھ لٹکنے والا ایسے ہے جیسے اس کے دامن سے چمٹنے والا جس سے فریاد رسی اور پناہ کا طلب گار ہے۔ مگر مخلوق کے گھروں کو خالق کے گھر کے مشابہ قرار دینا اور اللہ کے گھر کے ساتھ انھیں تشبیہ دینا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مطہرہ کی زیارت کرنے والے کو روضہ مطہرہ کا بوسہ لینے سے منع کرتے تھے۔(۱)

ہاں ہاں زائر (زیارت کرنے والا) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری اور روضہ مطہرہ کی زیارت کرتے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کے نذرانے پیش کرے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ تھا کہ وہ آپ علیہ السلام کی بارگاہ میں درود وسلام کے نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں

بابی ھو وامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) قبر انور کا بوسہ

اسلاف سے جب قبر والدین اور قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے تو روضہ مطہرہ اور قبر انور کا بوسہ لینے سے وہ کیسے منع کر سکتے ہیں۔ خاص قبر شریف پر رخسار رکھ دینا تو صحابۂ کرام سے ثابت ہے۔ البتہ آداب زیارت میں سے بتلایا ہے کہ زائر روضہ شریف سے کسی قدر فاصلہ پر رہے کہ اس میں ادب زیادہ ہے۔

حضرت ابن منکدر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا رخسار قبر انور پر رکھا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھا اور حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ مزار شریف (قبر انور) پر رکھا۔ بے شک محبت میں، استغراق اور وارفتگی اس کی اجازت دیتی ہے اور اس سے تعظیم ہی مقصود ہے۔

سلف صالحین، اللہ کے دین، سنتِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار کے حقوق کی خوب معرفت اور پہچان رکھتے تھے مگر ان بدعات میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہیں کرتے تھے جو شرک اور عبادۃ اصنام (بتوں کی عبادت، بت پرستی) سے مشابہت رکھتی ہیں کیونکہ اللہ جل مجدہٗ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرما رکھا ہے۔ چنانچہ سلف صالحین (نیز تمام مسلمان) صرف اللہ وحدہ لاشریک (جو اکیلا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں) کی عبادت کرتے ہیں مخلصین له الدین (دین اس کے لئے خالص کرتے ہوئے) جس طرح کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ اور وہ اللہ کے گھروں (مساجد) کو اپنے دلوں اور اپنے اعضاء وجوارح سے بصورتِ اعمال یعنی نماز، قراءت، تلاوت قرآن مجید، ذکر و دعا وغیرہ سے آباد کرتے ہیں

کسی مسلمان کے لئے یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ وہ کتاب اللہ، شریعتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور گذرے ہوئے مومنین کے راستے سے اعراض وروگردانی کرے؟ اور عمداً (جان بوجھ کر) یا خطاءً (غلطی سے) دوسرے لوگوں کی ایجاد کردہ بدعتوں کی طرف مائل ہوجائے؟

حامل کتاب کو خبردار اور آگاہ کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا بدعتوں میں سے (اگر کوئی بدعت) انبیاء کرام علیہم السلام اور ساداتِ اہل بیت اطہار اور مشائخ کی قبور پر کی جاتی ہے تب بھی وہ کتاب وسنت کے خلاف ہے اور کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس پر اعانت کرے۔ یہ اس وقت ہے جب یہ قبور صحیح ہوں پس کیا حال ہوگا اس وقت جبکہ ان قبروں کی اکثریت عیب دار ہے۔(۱)

(۱) اس کے جواب کے لئے ملاحظہ فرمایئے، ص ۹۰ بعنوان: قبریں ہیں بھی کہ نہیں؟ اس کا جواب

چونکہ قبروں کے لئے نذور مذکورہ معصیت و گناہ ہیں لہذا اللہ جل مجدہٗ، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین نے ان سے منع کیا ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ. وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِيْهِ۔ (۱)

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور جس شخص نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے۔

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (۲) وَهٰذَا الْحَدِيْثُ فِي الصِّحَاح

نذر کا وہی کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ یہ حدیث کتب صحاح میں موجود ہے (۳)

جب نذر اللہ جل مجدہٗ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر مشتمل ہو مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، حج کرنے یا صدقہ کرنے یا اسی طرح کے کسی اور عمل کرنے کی نذر مانے تو اس نذر کا پورا کرنا اس شخص پر واجب ہوگا۔

نذر کبھی کفر پر مشتمل ہوتی ہے اور کبھی معصیت پر۔ وہ نذر جو کفر پر مشتمل ہے اس کی مثال مثلاً کوئی شخص بتوں کے لئے نذر مانے، جیسے کہ ہندوستان میں بتوں کے لئے نذریں مانی جاتی ہیں اسی طرح مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں (بتوں) کے لئے نذریں مانتے ہیں،

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان باب ۲۸، ۳۱۔ ابوداؤد کتاب الایمان باب ۱۹، ترمذی کتاب النذور باب ۲، نسائی کتاب الایمان باب ۲۷، ۲۸۔ ابن ماجہ کتاب الکفارات باب ۱۶، دارمی کتاب النذور باب ۳، مؤطا امام مالک کتاب النذور حدیث ۸، مسند امام احمد ج ۹ ص ۳۶، ۴۱، ۲۰۸، ۲۲۴۔

(۲) صحیح مسلم کتاب النذر حدیث ۱۲، ابوداؤد کتاب الایمان باب ۲۵، ترمذی کتاب النذور باب ۴، نسائی کتاب الایمان باب ۴۱، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۴۴، ۱۳۶، ۷، ۱۴۷۔

(۳) نذر، اسکی اقسام واحکام نیز قسم اور اسکی اقسام واحکام پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ فرمائیے ص ۹۶

جیسے لات جو کہ طائف میں تھا، عزیٰ جو کہ مکہ کے قریب عرفات میں تھا اور مناۃ جو تیسری تھی وہ اہل مدینہ کے لئے تھی۔ حالانکہ یہ تینوں شہر (طائف، عرفات، مدینہ منورہ) حجاز مقدس کی سرزمین مقدسہ میں واقع ہیں۔

تو مشرکین ان کے لئے نذریں مانتے، ان کی پوجا کرتے، اور اپنے حوائج (حاجات وضروریات) میں ان کی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

جس طرح کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ذیشان میں انکے متعلق آگاہ فرمایا ہے کہ وہ کہتے

.....مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ...... (سورۃ الزمر آیت نمبر ۳)

ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں۔

بتوں کی عبادت اور ان کے لئے نذریں ماننا یقیناً کفر وشرک ہے اور بعض نذریں معصیت وگناہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جیسے کچھ جاہل مسلمان کسی پانی کے چشمے، کسی کنویں، پانی کی کسی نہر یا سبیل یا کسی غار، یا کسی پتھر یا کسی درخت یا کسی قبر کے لئے نذر مانتے ہیں اگرچہ وہ کسی نبی یا کسی نیک آدمی (ولی) کی قبر ہو۔ یا مندرجہ بالا اشیاء میں سے کسی کے لئے تیل، موم بتی وروشنی، کپڑے یا سونا، چاندی وغیرہ کی نذر مانتے ہیں۔

یہ تمام نذریں معصیت وگناہ ہیں جنھیں پورا کرنا واجب وضروری نہیں۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی نذر ماننے والے پر کفارہ یمین (قسم کا کفارہ) لازم آتا ہے کیونکہ اہل السنن (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ۔ (۱)

(۱) صحیح مسلم فی النذر حدیث ۸، ابوداؤد کتاب الایمان باب ۱۲، ۱۹، ترمذی کتاب النذور باب ۱، نسائی کتاب الایمان باب ۱۷، ۱۳، ۱۴۔ سنن ابن ماجہ فی الکفارات باب ۱۶، مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۰۷، ۲۹، ۴۳۲، ۴۳۲، ج ۶ ص ۲۴۸۔

اللہ کی معصیت میں نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ (نذر کا کفارہ) وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

نیز کتب صحاح میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی بھی موجود ہے:

فرمایا: كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ۔ (گذشتہ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں)

نذر کا وہی کفارہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

اور اگر نذر مانی ہوئی اشیاء میں سے کسی چیز کو کسی نیک کام میں خرچ کیا جائے تو بہت خوب ہے۔مثلاً تیل وغیرہ کو اللہ جل شانہٗ کے گھروں (مساجد) میں روشنی کے لئے استعمال کیا جائے۔اور کپڑوں اور مال ودولت وغیرہ کو اہل بیت اطہار، اور عام مومنین میں سے جو لوگ اسکے مستحق ہیں ان پر خرچ کیا جائے۔اور ان تمام نیک کاموں میں خرچ کیا جائے جن میں خرچ کرنیکا حکم اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے،

اور بعض جہال (جاہل لوگوں) نے جو یہ اعتقاد بنا رکھا ہے کہ بعض نذروں (اگرچہ وہ حرام ہی کیوں نہ ہوں) کے ذریعے مال ودولت سے فوائد ومنافع اٹھانے اور صحت وعافیت وغیرہ کا حصول اور دشمن وغیرہ کے نقصانات کا دفعیہ جیسی حاجات پوری ہوتی ہیں تو یہ ان کی بھول ہے اور وہ اس معاملے میں غلط فہمی اور مغالطے کا شکار ہیں۔

چنانچہ صحیح روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نذر سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يَاْتِيْ بِخَيْرٍ، وَلٰكِنَّهٗ يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ۔(۱)

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان باب ۲۶، کتاب النذر باب ۶، صحیح مسلم کتاب القدر حدیث ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ ابوداؤد کتاب الایمان باب ۱۸، ترمذی کتاب النذور باب ۱۱، نسائی کتاب الایمان باب ۲۴، ۲۶، ابن ماجہ کتاب الکفارات باب ۱۵، مسند امام احمد ج ۲ ص ۶۱، ۲۳۵، ۲۴۲، ۳۱۴، ۴۰۱، ۴۱۲، ۴۶۳

حدیث کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے ص ۱۰۳

نذر کسی خیر کو نہیں لاتی، یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

پس نذر کو مکروہ وناپسندیدہ قرار دیا اگرچہ اُس کا پورا کرنا واجب ہے جبکہ منذور (جس کی نذر مانی گئی ہے) اللہ جل مجدہٗ اوراس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر مشتمل ہو۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ فرمادیا ہے کہ نذر کسی خیر کو نہیں لاتی مگر یہ بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔اور یہ معنی ومراد، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور انداز سے بھی ثابت ہے اور یہ گفتگو تو ان نذور کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت واطاعت ہیں تو پھر وہ نذر کیسی ہوگی جو شرک یا معصیت پر مشتمل ہو۔جبکہ ایسی نذر ماننا اوراس کا پورا کرنا جائز ہی نہیں۔

آجکل اہل بیت اطہار اور دیگر صالحین کی قبور پر لوگوں کا ہجوم ہے، اگرچہ اسلام راسخ ہو چکا ہے تاہم لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ جل مجدہٗ اوراس کی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں۔اور اللہ تعالیٰ کے اس دین وشریعت کی اتباع وپیروی کریں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دے کر بھیجا۔اور دین میں ایسی باتیں اور ایسے امور (افعال واعمال) ایجاد نہ کریں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جن کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسی لئے اپنے رسول بھیجے اوران پر کتابیں نازل فرمائیں تاکہ دین (نظامِ زندگی وبندگی) پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے اور لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں جو وحدہ لاشریک ہے۔(اکیلا ہے اوراس کا کوئی شریک نہیں)

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً

يُعْبَدُوْنَ - (۱)

اور آپ پوچھئے ان سے جنھیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے، کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمن کے علاوہ اور خدا تا کہ ان کی پوجا کی جائے۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ط اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۞ - (۲)

اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں۔ بہت گراں گذرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

اور اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ط ....- (۳)

اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انھیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے، سو ان میں کچھ وہ لوگ تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔

---

(۱) سورۃ الزخرف آیت نمبر ۴۵ (۲) سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۱۳

(۳) سورۃ النحل آیت نمبر ۳۶

اور جو لوگ فرشتوں اور نبیوں کی عبادت کرتے تھے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۞ (۱)

(انھیں) کہیے اب بلاؤ ان کو جنھیں تم گمان کیا کرتے تھے (کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کرسکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کونسا بندہ (اللہ تعالیٰ سے) زیادہ قریب ہے، اور امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

اور فرمایا: وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞ (۲)

اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دیگا تمھیں اس بات کا کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمھیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو

اور جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر (اللہ کے سوا) بتوں کو اپنا حمایتی اور سفارشی بنا رکھا تھا، ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ط قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۞ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ط لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ج وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۞ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت نمبر ۵۶، ۵۷ (۲) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۸۰

عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا یَخْتَلِفُوْنَ ۞ (۱)

کیا انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی، پوچھیے اگرچہ یہ (مزعومہ سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل وشعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمایئے سب سفارش اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کے لیئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔ آپ عرض کیجئے اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے اے جاننے والے غیب اور شہادت کے تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

اور فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۞ (۲)

انھوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح فرزند مریم کو بھی حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی۔ نہیں کوئی خدا بغیر اس کے وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط ...... (۳)

کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے۔

---

(۱) سورۃ الزمر آیت نمبر ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶ (۲) سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳۱

(۳) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۵

شفاعت پر تفصیلی گفتگو کے لئے ملاحظہ فرمایئے ص ۱۰۸ بعنوان "عقیدۂ شفاعت"

اور فرمایا: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۱﴾

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے۔

نیز فرمایا: .....وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ......(۲)

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے۔

مزید فرمایا: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط .....(۳)

اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی (نازل کردہ) تمام کتابیں از اول تا آخر دین کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے خالص کرنے کا حکم دیتی ہیں، خصوصاً وہ کتاب (قرآن مجید) جو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب کریم رؤوف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور وہ شریعت جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لے کر تشریف لائے اس میں بھی یہی حکم ہے کہ سارا دین (نظام زندگی وبندگی) خالص اللہ کے لئے ہو کیونکہ اس نے دین کو مکمل کردیا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:..... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .....(۴)

آج میں نے مکمل کردیا ہے تمھارے لئے تمھارا دین۔

اور فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ (سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۱۸)

پھر ہم نے پختہ کردیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی

(۱) سورہ النجم آیت نمبر ۲۶ (۲) سورۃ الانبیاء آیت نبر ۲۸

(۳) سورۃ سباء آیت نمبر ۲۳ (۴) سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳

کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔

اور تمام امور میں عدل وانصاف اور میانہ روی اور اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کو جمیع اُمور کی درستگی کا نشان قرار دیا ہے۔

جس طرح کہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۞ فَرِیْقًا هَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۞ (۱)

آپ فرمائیے حکم دیا ہے میرے رب نے عدل وانصاف کا اور سیدھے کروا اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لئے عبادت کو جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمھیں ویسے ہی تم لوٹو گے۔ ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی، اور ایک گروہ ہے کہ مقرر ہو گئی ان پر گمراہی۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خالص توحید کا درس دیا اور ہر قسم کے شرک سے خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اور کتنا ہی دقیق، باریک اور معمولی کیوں نہ ہو اس سے پاک فرما دیا۔ حتی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ ۔ (۲) رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهُ

جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی (یعنی غیر اللہ کی) قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۹، ۳۰

(۲) ترمذی کتاب النذور باب ۹، نسائی کتاب الایمان باب ۴، ابن ماجہ کتاب الکفارات باب ۲، دارمی کتاب النذور باب ۶، مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۷، ج ۲ ص ۳۴، ۶۷، ۶۹، ۸۷، ۹۸، ۱۲۵، ۱۴۲

ملاحظہ فرمائیے ص ۹۸ بعنوان ''غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت کی وجہ''۔

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَنْہَاکُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِکُمْ فَمَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰہِ اَوْ لِیَصْمُتْ۔ (۱) وَھٰذَا مَشْھُوْرٌ فِی الصِّحَاح

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمھیں اپنے آباء واجداد کی قسمیں اٹھانے سے منع فرمایا ہے پس جوکوئی قسم اُٹھائے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی قسم اُٹھائے یا خاموش رہے۔

یہ روایت کتب صحاح میں موجود و مشہور ہے۔

مزید فرمایا: وَ لَایَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ ،وَ لٰکِنْ قُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔) (۲)

تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے کہ جو اللہ نے چاہا اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) چاہیں بلکہ یوں کہا کرو، جو اللہ چاہے پھر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) چاہیں۔

اور ایک آدمی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ ،فَقَالَ: اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ بَلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔ (۳)

جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے؟ بلکہ (یوں کہو) جو صرف اللہ چاہے۔ (۴)

اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مسند امام احمد ج ۲ ص ۷۔ ترمذی کتاب النذور باب ۸، وغیرھما

(۲) دارمی کتاب الاستئذان باب ۶۳، ابن ماجہ کتاب الکفارات باب ۱۳، مسند احمد ج ۵: ۷۲، ۳۹۳

(۳) مسند امام ج ۱ ص ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۸۳، ۳۴۷ (۴)

اس حدیث پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ فرمایئے ص ۹۲ ''حدیث، بل ماشاء اللہ وحدہ، پر بحث۔

اَلشِّرْكُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ۔ (۱)

اس امت میں شرک چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی و پوشیدہ ہے۔

اور آپ علیہ السلام سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ

اِنَّ الرِّیَاءَ شِرْكٌ۔ (۲) ریاء اور دکھاوا (بھی) شرک ہے

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

....فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (۳)

پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو تعلیم فرمائی کہ یوں کہا کریں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَآ اَعْلَمُ۔

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تیرے ساتھ کسی کو شریک کروں اور وہ میرے علم میں ہو اور میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اس سے جس کا مجھے علم نہیں۔

اسی باب سے ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کے نام پر صدقہ مانگتے یا صدقہ دیتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہے، کہ فلاں کیلئے، کسی صحابی یا اہل بیت اطہار کے کسی فرد کے نام پر، یہاں تک کہ اس طرح مانگنے کو باطل طریقے سے لوگوں کے اموال کھانے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ (۴) اور شیطان ان پر غالب ہے کیونکہ صدقہ اور تمام عبادات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہیں

(۱) مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۰۳

(۲) ترمذی کتاب النذور باب ۹، ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۱۶، مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۲۸

(۳) سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۱۰ (۴) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں......

اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے مشروع وجائز نہیں۔

جس طرح کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۞ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۞ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۞ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۞ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۞ (۱)

....(۴) صدقہ خیرات یا کسی عمل (عبادت) کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا شرع میں جائز و درست ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت سعد صحابی رضی اللہ عنہ کی والدہ نے وفات پائی، تو انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا انھیں نفع پہنچے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کنواں بنواؤ اور کہو کہ یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ بنت صدیق حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبد الرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات کے بعد ان کی طرف سے غلام آزاد کئے۔ اسی پر تمام عبادات کو قیاس کرنا چاہیئے۔

پس جو عبادت مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب گذرے ہوئے لوگوں (بزرگوں) میں سے کسی کی روح کو پہنچائے تو یہ ضرور بہتر اور مستحسن ہے۔ ہر عبادت کا ایصال ثواب حدیث شریف سے ثابت اور ذکر، تلاوت، صدقہ سب کا ایصال ثواب حدیث شریف کے مطابق ہے۔ کسی مسلمان کے وہم وخیال میں بھی نہیں آتا کہ ہم ان بزرگوں کی عبادت کرتے ہیں یا اس نذر اور ایصال ثواب سے ان کا تقرب چاہتے ہیں نہ کوئی مسلمان اس خیال کو گوارا کر سکتا ہے۔ ہر مسلمان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ ایصال ثواب ان بزرگوں کے لئے ہے اور اسی مناسبت سے وہ نسبت کر دیتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ایصال ثواب کے لحاظ سے کسی چیز کو غیر خدا کی طرف نسبت کرنا شرک ہو، یہ بالکل غلط اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ ا، سعد کی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ اُس میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کنویں کی نسبت ام سعد کی طرف فرمائی۔ یہ نسبت شرک ہوتی تو حدیث میں کیسے آتی۔

(۱) سورۃ اللیل آیت نمبر ۱۷ تا ۲۱

اور دور رکھا جائے گا اس سے وہ نہایت پرہیز گار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیتا ہو بجز اس کے وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا۔

اور فرمایا: وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۞ (۱)

اور جو زکوٰۃ تم دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلبگار بن کر پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں۔

نیز فرمایا: وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ج فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ج...... (۲)

اور مثال ان لوگوں کو جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لئے اور اس لئے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل، ان کی مثال اُس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو، برسا ہو اس پر زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے۔

مزید فرمایا:

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۞ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۞ (۳)

---

(۱) سورۃ الروم آیت نمبر ۳۹ (۲) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۶۵

(۳) سورۃ الانسان آیت نمبر ۸،۹

اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین ،یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمھیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے ، نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔

نیز جامع کلام (کلمہ جامعہ ، وہ کلام جس میں الفاظ کم اور معانی کا بحر بیکراں موج زن ہو) فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۞ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لا حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۞ (۱)

اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے ، بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔

نماز اور اس میں جو کچھ از قسم دعا و ذکر ہے وہ سب عبادت خدا ہے۔

نیز صدقہ و زکوۃ اپنی تمام اقسام یعنی طعام و لباس اور نقدی وغیرہ کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں شامل و داخل ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مومن بھائیوں کو خالص اپنی عبادت کرنے والا بنادے ، ہم صرف اسی کی عبادت کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ، حبل اللہ ، (اللہ کی رسی) کو مضبوطی سے تھامنے والے ، کتاب اللہ سے تمسک کرنے والے بن جائیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کرنے اور سیکھنے کے بعد اس پر عمل

---

(۱) سورۃ البینۃ آیت نمبر ۴ ، ۵

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ تمام شیاطین خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے (ان سب کو) ہم سے پھیر دے، انھیں ہم سے دور فرما دے اور ہمیں انکے شر سے محفوظ فرما دے،

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور بچائے اس سے کہ وہ ہمیں اس کے راستہ سے پھیر دیں یا متفرق کردیں۔

اور اللہ جل مجدہٗ ہمیں صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی ہدایت عطا فرمائے اور اسی راستے (صراط مستقیم) پر چلائے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اس نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی اور بہت خوب ہے ان کی سنگت۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضور نبی کریم رؤوف رحیم اور آپ کی آل اطہار پر کثرت کے ساتھ درود نازل فرمائے اور خوب خوب سلام بھیجے۔

والحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ علیٰ محمد وآلہ وسلم تسلیمًا کثیرًا۔

کتابیات

القرآن الکریم
تفسیر ابن کثیر/تفسیر روح المعانی
تفسیر روح البیان/تفسیر ضیاء القرآن
ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان
صحاحِ ستہ
عمدۃ القاری/ فتح الباری
ارشاد الساری/فیض الباری
شرح صحیح مسلم للنووی
اردو شرح صحیح مسلم
مشکوۃ شریف
مرقات/ مراۃ/ اشعۃ اللمعات
مسند امام احمد بن حنبل
سنن دارمی/ مجمع الزوائد
جامع صغیر/شرح جامع صغیر للمناوی
مستدرک امام حاکم
مؤطا امام مالک
شعب الایمان للبیہقی
مجمع البحار
البدایہ والنہایۃ
لسان العرب/ کتاب التعریفات
شرح نخبۃ الفکر/ لغات الحدیث
کتاب الشفاء/ شرح الشفاء لملاعلی قاری
مدارج النبوت/ الزیارۃ النبویہ
گنبد خضراء اور اس کے مکین
صواعق محرقہ
جواہر البیان فی اسرار الارکان
یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
انوار ساطعہ
فتاویٰ رضویہ/ فتاویٰ عزیزیہ/ فتاویٰ جماعتیہ
حسب ونسب/ اعلاء کلمۃ اللہ
رفع الحجاب عن مسائل ایصال الثواب
اطیب البیان
قصیدۃ النعمان مع شرحہ
شرح اطیب النغم
حدائق بخشش
مقالاتِ کاظمی
خدا کو یاد کر پیارے